

أَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَا يَكُنْ رَجْعُهُ بَعْدِي الْعَبْدُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ أَمَّا الْخَيْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ كَمَا تَحْمِلُ

الْعَاقِبُ سَمَاءُ لَا هُوَ

مَشْرِفَاتُ نَاحِيَةِ الْحَقِّ ١٤٢٩ هـ
أكتوبر تا دسمبر ٢٠٠٨ء

مَجْلَدُ الْكَلَامِ عَلَى مَرْحُومَةِ رَضْوِي

4

اداریہ

مدیر

16

دینی القابات و خطابات کا بے جا استعمال

علامہ اقبال احمد فاروقی

27

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا

حافظ کبیل انور بیگ

44

دنیا کی ایک عظیم ضرورت جہاد ہے

ڈاکٹر جوہرمیاں شفیق آبادی

48

ڈنمارک..... حرامستان

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین

8

کھل نہیں سکتی ہیں آنکھیں میری

قدرت اللہ شہاب

25

گیٹ آؤٹ طالبان

حامد میر

32

اسلام کی تزکیگی بنیادیں و مفاہست یا جہاد

مولانا عبدالحمید نعمانی

45

ڈاکٹر عامر لیاقت مجاہد ختم نبوت

محمد وحید نور

52

نکات شیخوپورہ میں قادیانیت گردی

سید رمیز الدین

57

قادیانیت نوازی کا انجام

انجنا زاہد

68

اقبال تیرے دیس کا کیا حال بناؤں

امیر الاسلام ہاشمی

90

تحریک ختم نبوت 1953ء

مولانا سید ابوالحسن قادری

125

بیوہ عورت

علامہ ارشد القادری

134

خطوط

مدیر

64

آصف علی زرداری کون؟

دست اللہ خان

70

جاگ سنی جاگ

علامہ پیر سید عرفان شاہ شہیدی

96

انٹرویو

علامہ حافظ خادم حسین رضوی

130

دارالافتاء

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی

136

بزم اطفال

مدیر



اداریہ

چلا گیا وہ شخص جسے زعم جدائی تھا

کمال اتاترک کے نام لیا اور وٹسکی وکٹوں کے شوقین جناب پرویز مشرف 8 سال 10 ماہ اور 6 دن کی حکمرانی کے بعد سیاسی جماعتوں کے آخری بچے کا شکار ہو کر منصب صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ جناب پرویز کے قوم سے آخری خطاب میں لڑکھڑائی زبان سپرے پر تناؤ آنکھوں میں نمی اور ہنسی گردن نے اُن کی کہانی بیان کر دی ہے۔ وہ کہانی جس نے "دو پرویز" کے 9 سالوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس کہانی کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے کہ 12 اکتوبر 1999ء کو پرویز مشرف نے منتخب حکومت پر شب خون مار کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور 116 ٹکڑوں کو ملک بھر میں پی سی او (P.C.O) نافذ کر دیا۔ 2000ء میں منتخب صدر مملکت "مفتی تارڑ" کو ان کے عہدے سے برطرف ہونے پر مجبور کر کے خود "منصب صدارت" پر قابض ہو گئے۔ نائن الیون کے امریکی ڈرامے میں پرویز مشرف نے ولن کا کردار ادا کرتے ہوئے پاکستان کو گروہی رکھ دیا اور ان گنت بے گناہ پاکستانیوں کو امریکہ کے حوالے کیا۔ "سب سے پہلے پاکستان" کا کھوکھلا نعرہ لگاتے ہوئے شہر پسند غیر ملکی قوتوں کو ملک عزیز پاکستان میں عام وٹسکی اور اجنٹ وی اور ملکی سالمیت کو داؤ پر لگا دیا۔

وٹسکی نے اپنے لیے تو بین رسالت پر مزائے موت کی سزا کو شتم کرنے اور پاسپورٹ کا مائیکسٹر کرنے کی ناپاک و ناکام کوشش کی گئی۔ اسلامی تعلیمات اور شعائر اسلامی کا برسرِ اوبہ پایا۔ ساجد و مدارس کو برف بھید بنایا۔ نصاب تعلیم سے آیات جہاد کو نکال دیا گیا۔ فحاشی کو لیے نام نہانہ و حقوق نسواں مل کر لایا گیا۔ پاکستان میں ہندوانہ کلچر کو فروغ دینے کے لیے مغربی کلچر و فحاشی کو فروغ دینے کے لیے میر تقی میریں کو سرکاری سطح پر منایا گیا۔ الغرض جب شرف نے مذہبی طور پر ہر وہ طریقہ اپنانے سے بالکل گریز نہیں کیا گیا جس سے اس کے مغربی دانش منوں نے اسی عمل کی ایک کڑی "روشن خیال اسلام" کا ڈھنڈورا تھا۔

پاکستان بانی اسلام اک انجم ہم واکٹر عہد القدریہاں پر بنا جو بچہ جا بجا بندیاں لگائی گئیں۔ بلوچستان میں ان گنت بلوچی بھائیوں کو قتل اور ملک دشمن قرار دے کر موت کی نیند سلا گیا۔ بلوچی واداب اکبریتی کے خون سے ہاتھ سرخ کیے گئے۔ عدلیہ اور میڈیا پر شب خون مارا گیا۔ وفاقی دار الحکومت میں مساجد کو شہید کیا گیا۔ لال مسجد کو جامعہ خالصہ میں پھینچ دیا اور پچیوں کو قلا سٹورس بھوں کے اندر اندھا دیا گیا۔ وزیرستان سوات وائٹا باجوڑ اور فاطمیں عوام اور فوج کو باہم دست و گربان کیا گیا۔ ملک عزیز کے قیمتی اثاثوں کو اپنے پونے دامنوں فروخت کیا گیا۔ تعلیم کو سفید مٹی کی کر دی گئی۔ ترمیم آدمی سے روٹی کا نوالہ جھین لیا گیا۔ پاکستان میں غربت 437.63% بڑھی اور لوگ فالتوں اور بے کاریوں پر مجبور ہو گئے۔ الغرض مہدی جی کی غربت اور بے روزگاری اپنی انتہا پر اڑ گئی۔

ان سب کے باوجود کیا اب بھی پرویز کی گردن میں جھلکی تھی؟ اس کی یہ گردن یا تو مظلوم عوام کے ماتھے جھلی ہے یا پھر اپنے ان آقاؤں کے سامنے جن کے لیے اُسے ابھی اہمیت کچھ کرنا تھا۔ یہ اقدام قدرت کی جھلک ہے کہ اپنے اقتدار کے عین عروج میں پرویز مشرف کو ایسا زوال ملا جس کی توقع بھی تو تھی۔ وہ پرویز مشرف جسے زعم جدائی تھا۔ لیکن سچ ہے کہ کائنات کے خالق و مالک نے اُسے کسی ناکامی بس نہیں دی۔ وہ خالق ہے اور زعم مقلوق۔ اس کی وٹسکی ایک وقت مقرر و تک اہی ہے

تو فرعون جیسے بادشاہ کو دریائے کرنا ہے شاہ ایران جیسے حکمران کو
شاہ پرہیزگار جیسے مغرب نواز کو مجبور و لاچار۔

جیلے احتیاط فرمائیں

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری جب برطانیہ یا ترکیہ کے لیے لندن تشریف لے گئے تو
”ایم ایو ایم“ کے قائد الطاف حسین سے بھی ملے۔ اس ملاقات میں ہا ہی دلچسپی کے امور کے علاوہ
قادیانیت کے متعلق بھی گفتگو ہوئی۔ الطاف حسین کو کیونکہ ان دنوں قادیانیت نوازی کا بھوت
سوار ہے اس لیے وہ جگہ جگہ قادیانیت کی طرف سے وکیل صفائی کا ”کارنامہ“ بلا معاوضہ سرانجام دے
رہے ہیں۔ مذکورہ ملاقات میں بات کی ابتدا تو انتخاب بندی سے ہوئی اور انتخاب قادیانیت کی مظلومیت
پر۔ جناب صدر نے فی الوقت تو دانشمندی سے معاملہ بنادیا تھا لیکن مستقل قریب میں ایسے امور زیر
غور آنے کا تو فی اندیشہ ہے اس لیے پیپلز پارٹی کو ماضی کے صرف ایک واقعہ سے نہ صرف سبق حاصل
کرنا چاہیے بلکہ اسے حرف از حرف ازم بھی رکھنا چاہیے۔

پیپلز پارٹی کے بانی مرحوم ذوالفقار علی بھٹو جہاں دیدہ سیاستدان تھے۔ 1974ء میں جب
قادیانیوں نے فیصل آباد کا لٹے کے مسلمان بچوں پر تشدد کیا تو پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ بعد میں
عوام کی مدد و حمایت و تحریک پر جب قادیانی فتنہ کو تو می آگئی میں پیش کیا گیا تو پورے ایوان نے متفقہ
طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس وقت حزب اقتدار اور ایوان کے قائد جناب بھٹو تھے۔
یوں تو قادیانی اس ایوان کے ہر شخص کو اپنا وطن تصور کرتے تھے لیکن قائد ایوان ہونے کی حیثیت سے
ذوالفقار علی بھٹو ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر ٹپکے تھے۔ بعد میں حالات کا پانسہ پلٹا اور فیصلہ الحاق
اقتدار پر قاضی ہونے اور بھٹو کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ ایک متنازعہ مقدمہ قتل میں لاہور
ہائیکورٹ نے بھٹو کو پھانسی کا حکم سنایا۔

پیپلز پارٹی نے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جسے 6 فروری

1۔ ۱۰ مارچ کو دیا گیا۔ اس اپیل کے مسترد ہونے کے 2 دن بعد سر ظفر اللہ خاں قادیانی نے
(ر) جاوید اقبال (فرزند علامہ محمد اقبال) شیخ اعجاز احمد چوہدری بشیر احمد اور چیف جسٹس
ہائیکورٹ جسٹس مولوی مشتاق حسین کی موجودگی میں اپنے گرو (نئی) مرزا قادیانی کا الہام سنایا

۲۔ حضرت کو ایک الہام ہوا تھا کہ
”ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اندر اچھی میں مجھے خبر دی جس کا حاصل یہ ہے کہ
کلب یمون علی کلب“ یعنی ”دوست“ ہے اور کہتے کے بعد پر مہرے گا۔ جو اب ان
۲۰۰۰ (2000) = کلب = سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر 52 سال سے تجاوز نہیں کرے
گی۔ جب 52 سال کے اندر قدم و ہرے گا تب اس الہام کے اندر اندر راہی ملک بقاء ہوگا۔

(ازلہ اوہام، صفحہ ۱۷۸ روحانی خزائن جلد ۳، صفحہ ۱۹۰)
یہ الہام سنانے کے بعد ظفر اللہ قادیانی نے ذوالفقار علی بھٹو کی جانب اشارہ کیا کہ اس نے
۵ فروری 1979ء کو جیل میں اپنی 51 ویں سالگرہ منائی ہے اور اگلے سال اس الہام کے مطابق اس
۵۰ مہم تمام ہو جائے گا۔ (یاد رہے کہ یہ منہا والہام تقریباً پون صدی قبل مرزا نے بیان کیا اور پون
صدی بعد مرزا زینوں کے جیسے سر ظفر اللہ نے اسے بھٹو پر چپا کر دیا) اپیل مسترد ہونے کے بعد
بھٹو کو پھانسی ہوئی تو قادیانیوں نے پورے ملک میں جشن منایا اور مختائیاں تسمیہ کی۔ ایک سال
بعد (1980ء میں) جب ظفر اللہ کی مولوی مشتاق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ سے ملاقات ہوئی تو
اس نے مولوی مشتاق کو جہاں قادیان کا الہام دو بار دیا کہ وہاں اور زیر لب مسکرادیا۔

(آتش فشاں لاہور 9 مئی 1980ء، صفحہ ۱۲؛ سیاسی اتار چڑھاؤ زمین احمد خان)
اب پیپلز پارٹی کے جیلے صدر وزیر عظیم اور تمام کارکنوں کو قادیانیت کی حقیقت و اشکاف ہو جانی
چاہیے کیونکہ قادیانی جماعت کے معتبر و معتد سر ظفر اللہ نے مرزا قادیانی کا جو الہام بیان کیا ہے وہ



میری کسی تعبیر و تفسیر کا محتاج نہیں۔

کھل نہیں سکی ہنس آنکھیں میری

نور محمد شہاب

قدرت اللہ شہاب معروف زمانہ پورو کر بہت انشاء پر داز اور ادب تھے۔ ایوب خان کے زمانہ صدارت سے حکومت سے وابستہ ہوئے اور آخر دم تک مختلف حکومتوں میں اہم عہدوں پر کام کیا۔ بھری خامیوں کے باعث کئی مرتبہ زیر تنقید بھی رہے۔ شہاب نامہ ان کی مقبول عام تصنیف ہے جس میں واقعات کو جیسے کھینچے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ شہاب نامہ میں کئی مقامات پر فاضل مؤلف نے قادیانیت پر زبردست تنقیدی جرح کی ہے۔ درج ذیل مضمون قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کے اگلا انداز کا عکاس ہے ملاحظہ فرمائیں۔

مجھ دس بیٹے کے قریب مدینہ منورہ سے چار پانچ میل اس طرف رک گیا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا جس پر درخت چل رہا تھا۔ قافلہ والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ کچھ عقیدت مند بوسوں پر دوبارہ سوار ہونے کی بجائے یہاں سے اترنا پیدل چلنے لگے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہو گیا۔ ٹھوڑی دور چل کر خیال آیا کہ دیار حبیب ﷺ میں جوتے پہن کر داخل ہونا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ میں نے فوراً اپنے چنیل کھول کر ہاتھ میں اٹھالے اور پرہیز پاچلے لگا۔ دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر پاؤں پڑتے ہی میرے ٹکڑوں میں آگ کے شعلے سے لپکے اور حرارت کی لہر بس بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل کر دماغ سے نکلنے لگیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے اپنے چنیل دوبارہ پہن لیے۔ اپنے ہندو بائیس ام کے اس بودے پر مجھے اس قدر جھنجھلاہٹ اور نامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے چنیل کچھ کھولنے اور انہیں اٹھا کر سڑک سے دور جھار جوں میں پھینک دیا۔ اب تنگے پاؤں چلنا ایک امر مجبوری تھا لیکن میری خود فریبی اس مجبوری کو احترام کا نام ہی دیتی رہی۔

گھنٹہ ڈھب نہ گھنٹہ چلنے کے بعد ایک سوڑا آجس کی گولائی پر چند گازیان رکی ہوئی تھیں اور بہت

دھاب پر گھڑے والہانہ انداز میں درو و سلام پڑھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ حدات کو اپنا گوہر مقصود نظر آ گیا تھا۔ میری عمر اس وقت تیس تینتیس برس تھی۔ اس طویل عمر سے میری آنکھوں نے زندگی کی کثافت و رذالت اور رکاکت و خباثت کے علاوہ اور کچھ بہت کم دیکھا تھا۔ اب جی چاہتا تھا کہ گندہ خضرہ پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ان گناہگار آنکھوں کو کسی قدر صاف کر دوں۔ اس مقصد کے لیے شاہراہ مدینہ کی خاک سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی تھی؟ میں نے اضطراباً چلتی دھاب سے خاک کی ایک چٹکی اٹھائی اور اسے اپنے آنکھوں کا سرمہ بنالیا۔ مسجد نبوی ﷺ تک پہنچ کر میری آنکھیں سرخ ہو کر سوچ گئیں اور راستہ نظر ناممکن ہو گیا۔ قدم قدم پر راہ میریوں سے ٹکر لگتی تھی۔ مجھے اندھا سمجھ کر ایک بھلے آدمی نے میری رہنمائی کی اور مجھے باب جبرئیل تک پہنچا دیا۔

باب جبرئیل پر عاشقان رسول ﷺ کا جھوم تھا۔ اندر جانے والوں اور باہر آنے والوں کا تانتا مہ صاف اٹھتا تھا۔ ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے منہ جالے میں مصروف تھے۔ میری آنکھوں میں اب تک دھند سی چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ کے ریلے میں پھس کر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں آگے بڑھ کر باہوں یا پیچھے جا رہا ہوں۔ ایک مقام پر میں چند لوگوں سے ٹکرا کر بُری طرح لڑا۔ لہا اور جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گر پڑا۔ جوتوں کی رکھوالی کرنے والے صاحب نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھالیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بولی لیتے تھے۔ میری آنکھیں سوچی دلی اور سانس پھول رہی تھی۔ اپنی صراحتی سے پانی کا گلاس پلا کر انہوں نے ازراہ تہذیب رندی دریافت کیا کہ میری آنکھوں کو کیا مرض لاحق ہے؟ میں نے شاہراہ مدینہ کی خاک کی چٹکی والا واقعہ بے کم ۵۰ بیان کر دیا۔ اس نے کہ وہ بے اختیار دوڑ پڑے اور مجھے دس بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ عصر کی نماز پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور جاہلی مہاراج کے سامنے ٹھکڑے ہو کر بڑے سوز و گداز سے درو و سلام پڑھا دیا۔ نماز کے بعد وہ مجھے پھر اپنے پاس چٹائی پر لے آئے۔

یہ صاحب شریق اور فربہ میں بہت سے غلوں کی سیاحت کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری

ہاں تھی۔ اس کے علاوہ ترکی، فارسی اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ کسی قدر فرانسیسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ انیس برس سے روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی کی صفائی کے انتظامات کے ساتھ وابستہ تھے۔ حج کے زمانہ میں جب زائرین کا رش بڑھ جاتا ہے تو یہ صاحب رضا کا راندہ طور پر باب جبرئیل کے باہر جوتے سنہالنے کے کام میں بھی ہاتھ بنایا کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پاپیورٹ دیکھا اور اس کو بولے "تم تو بڑے لکھے آدمی ہو۔ میری اردو بڑی کمزور ہے" آؤ انگریزی میں گفتگو کریں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو مغرب کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئے "جو مسجد نبوی ﷺ کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا" اپنے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا عنایت کیا "بازار سے پیچل لا کر دیے اور ایک ڈاکٹری دکان پر چاکر میری آنکھوں میں دوا ڈالوائی۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ میں رات بھی ان کے ہاں گزاروں۔ میں نے التماس کی کہ اگر وہ مجھے باہر جبرئیل کے باہر اپنی چٹائی پر شب بسری کی اجازت دے دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ اس پر وہ کچھ سوچ میں پڑے اور پھر بولے "اس کی اجازت تو نہیں خیر عشاء کے بعد دیکھا جائے گا۔"

عشاء کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کے دروازے بند ہو گئے تو وہ اندر ہی رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اپنے سرکاری فرائض سے فارغ ہو کر باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیا جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور مجھے پھر بھی بولی تھی "تم اس چٹائی پر رات گزار سکتے ہو۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اجازت نامہ دکھا دینا۔"

تجربہ کی اذان ہوئے تک کئی سیاہیوں نے کئی بار آکر مجھے ٹوکا لیکن اجازت نامہ دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے اپنی کمر فرمائی کی انتہا کروی۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے مجھے باہر نہیں نکالا اور تجھ کی اذان تک اندر ہی رہنے دیا۔ یہاں ٹھوڑی دیر کے لیے جالی مبارک کے اندر اس عرش بریں جیسی مقدس

مجھے اپنی ہاتھوں سے جا رو بہ کشی کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

ایک روز انہوں نے مجھے مدینہ منورہ سے رخصت کر دیا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرا یہاں سے کوئی نہیں چاہتا لیکن وہ نہ مانے۔ کہنے لگے: "پانی کا برتن بہت دیر تک آگ پر پڑا رہے تو پانی ابل کر قلم ہو جاتا ہے اور برتن خالی رہ جاتا ہے۔ دینا واروں کا ذوق و شوق وقتی اہل ہوتا ہے۔ کچھ یہاں رہ کر بعد میں پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا جسم تو مدینے میں ہوتا ہے لیکن دل اپنے وطن کی طرف نکار ہوتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان ان رہے تو اپنے وطن میں لیکن دل مدینے میں نکار رہے۔" وہ مجھے بسوں کے اڈے تک چھوڑنے آئے اور جدہ جانے والی ایک بس میں مجھے ڈرائیور کے ساتھ واپس اگلی سیٹ والو لہوی۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد ہم نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک سیاہ قلم اٹلی نو جوان ننگے سرو و چپ میں پیدل چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی اور بیوی کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔ اس ننھی دھوپ میں بھی یہ جوڑا ابوے اطمینان سے پایادہ مدینہ شریف کی طرف جا رہا تھا۔ ڈرائیور رحم دل آدمی تھا۔ بس روک کر اس نے ان مسافروں کو اپنی صراحتی سے پانی پلایا۔ پانی دیتے ہوئے ڈرائیور نے بتایا کہ یہ پانی مدینہ منورہ سے آیا ہے۔ یہ سننے ہی ان کے چہرے روشنی سے جگمگا اٹھے۔ انہوں نے ایک گھونٹ اپنے بچے کے منہ میں بھی پکایا۔ پانی کے کچھ قطرے زمین پر گر گئے تھے۔ میاں بیوی نے جھک کر بھیگی ہوئی ریت اٹھائی اور منہ سے ڈال لی۔

دیار حبیب ﷺ میں دو بارہ حاضری:

۱۱ فروری ۱۳۴۱ھ کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہر نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے روردار آواز میں پکارا "وہ مدینہ آگیا"۔ اس مژدہ کاغذ کے سننے کے لیے عرصے سے کان مشتاق دل مضطرب اور طبیعت سے قرا تھی۔ یہ مبارک کلمہ سننے ہی کی ایک کی آنکھوں نے سیلاب محبت بہانا شروع کر دیا۔ خوشی کی ایک لہر دل میں اترتی جاتی تھی جو جوش میں تیز پر کارمدار پر چھا جاتی تھی۔ دوش و اس جسم خاکی کو دہرا کہہ رہے تھے۔ فرط مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی

تھی۔ بدن کے تمام بے تاب دگ و پے سوز و گداز کے مرے طے کر رہے تھے۔ عقل غم غمی اور کیف و ہمدان کی وہ کیفیت طاری تھی کہ نذر بان سے بیان ہو سکتی ہے نہ نغم اسے ضبط تحریر میں لاسکتا ہے۔

الحمد للہ آج ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے ویاہر مقدس اور گنبد خضراء کا دلکش منظر سامنے ہے۔ شمع معرفت کی تجلیاں خرمن صبر و قرار پر تھلا آ رہی ہیں۔ دواہی یمن کے بے حجاب جلوے دلوں میں ترپ پیدا کر رہے ہیں۔ بے چین ول الشکبار کھین زوچہ پیرے سرخ اور پرواغ سینہ اور شکستہ اعضاء آج اپنے مشاغل کے لیے ایک نئی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ سینے میں جو آگ مشتعل تھی اب اس سے شعلہ جوالہ نکل نکل کر آہ آنکھیں کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

مبارک بڑا تمہاری جھٹتیں ٹھکا نے لگیں تمہاری دعائیں قبول ہوئیں تمہاری ویرید آرزوئیں ہر آئیں نکل کر تیار آ رہی ہوئی اور منزل مقصود قریب آ گئی ہے۔

شہر مقدس کے پہلے دروازے سے داخل ہوئے تو سعودی فوج کے دستوں نے سلامی سے ہمارے کاروان کا استقبال کیا۔ ہزار کیسی لینسی امیر مدینہ نے اپنے شفاف اور زخماؤں میں شہر موجود تھے۔ استقبال کی رسم سے فارغ ہو کر ہم ریلوے اسٹیشن مدینہ منورہ کے عالی شان ایوان میں داخل ہوئے جسے خاص اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ قبوہ شربت اور آب خور غزلی سے توشیح کے بعد قافلہ مع اپنے سالار کے حرم محمد ﷺ کی زیارت اور در رسول ﷺ پر حاضری کے لیے اب و احترام کے ساتھ بیاد پار وادنا ہوئے۔ حرم پاک کے باب السلام پر پہنچ کر بے تابان سلام عرض کیا۔ ہم ناچیز و ناتواں آستانہ مبارک پر پہنچ گئے۔ ول ویدہ کی کیفیت عجیب تھی۔ روضہ نبوی ﷺ کے پروانے گنبد خضراء کے سامنے میں کھڑے ہیں۔ یہاں ازبکین کا ہجوم ہے۔ شمع منورہ پر پروانے متواتر گر رہے ہیں۔ ہر شخص اخلاص و عقیدت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام، درود و نماز اور تلاوت و توشیح میں مصروف ہے۔ یمن حرم خوش نصیب مسلمانوں اور شیخ برہان نبوی ﷺ کے پروانوں سے پر ہے مگر کیا مجال جو کوئی آواز بلند ہو۔ ہر دل چاہا کہ سکہ جاری ہے۔ کیف و معرفت کا دور چل رہا ہے۔ روحانیت کا سمندر موجزن ہے۔

یہاں ہر طرف محابرات اور خوشگیاں ہے۔ کسی کو اپنی خبر نہیں۔ سب اسی جانی والے ایوان عظیم مان لی طرف نکلی باندھے متحیر از خود رفتہ کھڑے ہیں۔ کوئی درود و سلام پڑھ رہا ہے تو کوئی واکل ات کا در و کر رہا ہے کسی کی آنکھوں سے سچے موتی ٹپک رہے ہیں تو کوئی عاشقی میں ٹھنڈے مان بھر رہا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے دل کی کیفیت کو اپنی اپنی زبان سے محبوب ﷺ کی جناب میں پیش کر رہا ہے۔ حضور رسالت ﷺ کی بارگاہ میں بدیہ اداوت پیش کر کے شیعین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہنسا کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے مزار سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سامنے پہنچے اور وہاں نذرانہ عقیدت ادا کیا۔

مدت کی آرزوئیں پوری ہوئیں۔ دل کے ارمان نکلے، نیاز مند ان سلام سے فراغت پا کر محرم حرم لی شمیم جاں افزا سے معطر ہوئے ہونے ہم سب اپنے بلند اقبال قافلہ سالار کی محبت میں اپنے دل میں آ گئے۔

رمضان المبارک کے کئی دن میں نے مسجد نبوی ﷺ میں نمازیں پڑھ کر گزارے۔ اور اورو طاف اہر درود و سلام بھی جاری رکھا اور ساتھ ہی روضہ حضور ﷺ کی حاضری و زیارت کی سعادت بھی حاصل کی۔

حضور اکرم ﷺ کا روضہ مبارک مسجد نبوی کے آخری سرے پر جنوب کی طرف ہے۔ یہ بہتر گنبد والا روضہ اقدس جہاں واقع ہے وہ تھنہ زمین و نیا کا مقدس ترین حصہ ہے۔ محدثین و فقہاء نے اس سے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ روئے زمین کے تمام مقامات سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا مقام ہے۔ جس جگہ حضور ﷺ کا جسد مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے۔ یہاں محبوب خدا ﷺ کا جسد مبارک ہمیشہ ہمیشہ اپنے محفوظ اور زندہ و تابندہ ہے۔ انسان یہاں پہنچ کر ایک عالم جذب سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔

ماہنامہ رول ﷺ یہاں پہنچ کر دیا، المیہ کا کھول جاتا ہے اور ایک والہانہ جذب، شوق انہیں دینا

کی ہر چیز سے بے خبر کر دیتا ہے۔ بس ایک ہی کیفیت ان کے حواس اور دل و دماغ پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے اور وہ کیفیت ہے دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کے احساس کی۔ اس احساس کے پیش نظر ساری دنیا اس کے تمام مقامات اس کے تمام مناظر اس کی تمام شخصیات بے معنی نظر آنے لگتی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ایک والدہنا نہ جذب و شوق کا عالم ان سب کی نفی کر کے ان کو دل و دماغ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

محمد نبوی ﷺ کا سارا حسن و جمال اس روضہ اقدس و اطہر کی وجہ سے ہے۔ وہ روضہ اقدس جہاں حضور ﷺ کا جسد مبارک آرام فرما ہے اور پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ساری زمین پر حضور ﷺ کے سجدوں اور قدموں کے نشانات ثبت ہیں۔ ان کی ساتوں کی مہک آج بھی مشام جاں کو عطر رکھتی ہے۔ ان کا جمال جہاں افروز جہاں صورت مہرمن روز آج بھی نظارہ منور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا۔ جہاں آنحضرت ﷺ نے خاصے سے تک قیام فرمایا اور جہاں ان کا وصال بھی ہوا اور جہاں آپ ﷺ کا جسد اطہر لحد میں اتارا گیا اور جہاں ان کے قدموں میں ان کے صحابہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھی آرام فرما ہیں۔ کسی زمانے میں حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بچی عمارت تھی لیکن اب اس پر روضہ اطہر کی عمارت مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ روضہ مبارک کے آس پاس پیش اور لوہے کی وہ جالی ہے جو ہر زمانے میں زائرین اور شعراء و ادباء کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور جس کے حسن و جمال کی شان میں یہ سب رطب اللسان رہے ہیں۔ روضہ اطہر کے آس پاس مضبوط چار دیواری ہے اور اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ ہر لمحہ یہاں عاشقان رسول ﷺ کا بھجھ رہتا ہے اور درود و سلام کی فنگس گالوں میں رس گھولتی ہے۔ انسان اور فرشتے سب یہاں درود و سلام کا درو کر رہے ہیں۔

میں روضہ محسوس کر رہا ہوں کہ دعاؤں میں مصروف تھا، آنکھیں بند تھیں اور میں ان بند آنکھوں

ہائے کیا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حضور ﷺ کا دیکھ کر نور میرے سامنے تھا۔ اگرچہ میں احتراماً کچھ فاصلے اما میں مشتاق رسول ﷺ کے جذب و جنون نے مجھے ان کی ذات باریکات اور عظیم شخصیت سے قریب کر دیا تھا کہ کوئی دوری و دیرمان میں حائل نہیں رہی تھی۔ قرب کی اس کیفیت نے مجھے لطف و ماطہ کی ایک ایسی منزل پر پہنچا دیا تھا جہاں سے واپس لوٹنا ارادی طور پر مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ یہ وہاں تجربت کی ایک ایسی منزل تھی جس تک رسائی خوش بختوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

وہاں میں بہت خوش قسمت تھا کہ رب العالمین اور رحمت اللعالمین ﷺ نے مجھے روحانی حیرے کی اس منزل سے آشنا کیا اور مسرتوں کے دریا میری زندگی میں موجزن کر دیے۔ آج بھی میں اس طبیعت کی لذت کو محسوس کرتا ہوں اور فرط مسرت سے حضرت خواجہ میر درد کا یہ شعر پڑھتا ہوں:

کل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری
جی میں یہ کس کا تصور آگیا



جب رنگ پر ہے بہار مدینہ
مہارک رہے عنبر و جہیں مغل
مری خاک با رب نہ برباد جائے
اب سیکو رضوان یہ جنت نہیں ہے
جدھر دیکھے باغ جنت کھلا ہے
لانگ لگاتے ہیں آنکھوں میں اپنی
وہ عالم میں بتا ہے صدقہ یہاں کا
ثواب جن سے حاصل ہوا انبیاء کو

کہ سب چنچلی ہیں ٹار مدینہ
ہیں مغل سے بہتر ہے خار مدینہ
بہس مرگ کر دے غبار مدینہ
چلو سر کے بل ہے یہ گوئے مدینہ
نظر میں ہیں نقش و نگار مدینہ
شب و روز خاک مزار مدینہ
ہیں اک نہیں ریخہ خوار مدینہ
وہی ہیں حسن انکار مدینہ

دینی القابات و خطابات کا بے جا استعمال

پروفیسر علامہ اقبال احمد ظہری

علامہ فاروقی اہلسنت کے معروف مترجم مقالہ نگار، محقق اور ادیب ہیں۔ کوچہ صحافت میں آپ کے گرانقدر مقالہ جات اپنی مثال آپ ہیں۔ پاک و ہند کے درجنوں رسائل میں آپ کے لکھے گئے مضامین اور مباحث مضامین شائع ہوتے ہیں۔ بیہ زور صاحب اپنی گوہرگوں خدمات کی بدولت بلاشبہ ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک عزیز پاکستان کی چھ دہائیوں کے عینی شاہد اور سب سے نامور رسائل و جرائد کے قلمی معاون ہیں۔ معلم قرآن حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوانی اور حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امروہری کے تربیت یافتہ ہیں۔ قدیم اشاعتی ادارے "کتبہ نبویہ" کے بانی "ماہنامہ جہان رسا" کے مدیر بھی ہیں اور ان کئی کتابوں کے ناشر و مصنف ہیں۔

تاریخ عالم پر نگاہ ڈالی جائے تو انسانی شرف و فضیلت کو اجاگر کرنے کے لیے القابات و خطابات کا استعمال نسل انسانی کے مختلف ادوار میں رہا ہے اور اصل نام کے ساتھ ادنیٰ و صفاتی القابات کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انسانی معاشرہ میں سب سے باعظمت اور ارباب فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام کا گردہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ کیلئے پوری صلاحیت اور قابلیت سے پیکرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کے ذاتی ناموں کے ساتھ ساتھ بڑے اہم القابات و خطابات سے نوازا کہ ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور عام لوگوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت سے روشناس کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو "نبی اللہ"، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "ظلیل اللہ"، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو "ذبیح اللہ" کے خطابات سے سرفراز فرمایا گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی مراحل سے کامیاب و کامران گزرے تو آپ کو "امام الناس" کا خطاب دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "علیم اللہ"، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "روح اللہ" قرار دیا گیا۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقررین کی خدمات کو اتنا نمایاں کیا کہ انہیں بڑے بڑے باوقار اور باعظمت خطابات و القابات عطا کیے گئے ہیں۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جن خطابات و القابات سے نوازا گیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ رحمتہ للعالمین، سید المرسلین، امام الانبیاء، شفیع المرسلین، بشیر، نذیر، سراج منیر جیسے ہزاروں القابات و خطابات عطا فرمائے۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو تین ہزار سے بھی زائد خطابات سے سرفراز فرمایا گیا۔

سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے اصحاب و احباب کی خدمات کو بلندی عطا فرمانے کے لیے ایسے ایسے خطابات عطا فرمائے کہ ہم ان حضرات قدسہ کے ذاتی ناموں سے ہم کران القابات سے زیادہ واقف ہیں جو سرور دو عالم ﷺ نے عطا فرمائے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "صدقہ اکبر"، سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ "فاروق اعظم"، سیدنا عثمان غنی بن عفان رضی اللہ عنہ "ذوالنورین"، اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ "اسد اللہ" کے خطابات عطا فرما کر تاریخ اسلام میں درخشاں کر دیا۔ پھر یہاں تک ہی نہیں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سید الشہداء اور سیف اللہ جیسے خطابات عطا فرمائے۔

ان پر شکوہ خطابات سے ہم کر پیاری زبان کھلی تو ابوتاب، ابو ہریرہ، ابوالنور، الہمید، سیدہ النساء جیسے القابات عطا ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا دور گزرا تو امامت کا دور آیا۔ یہ خطابات بھی اپنی رفعتوں کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ امام حسن، امام حسین، امام مسلم، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے خطابات سامنے آئے۔ پھر خانوادہ رسالت کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی روشنائی پھیلیں تو امام مالک، امام اعظم، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم خطابات آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے ان خطابات کا حق ادا کر دیا اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات کی خدمات کے سامنے ان کے خطابات کم تر ہیں۔

اللہ ماہب سے تھوڑا سا آگے چل کر جب محدثین کا دور آیا تو سراج الامت، امام محمد شافعی، شمس

الائمه اور امام الاعظم جیسے خطابات سامنے آنے لگے۔ ان حضرات کا زمانہ گزرا اور فقیہان اسلام کا دور آیا تو ہم دیکھتے ہیں فقہ العصر، فقہ الزمان، فقہ ذیشان جیسے القابات جنے لگے۔ امام اعظم، محدثین اسلام، فقیہان ملت نے واقعی اپنے خطابات والقابات کا حق ادا کر دیا اور انہوں نے امامت، فقاہت اور تدوین احادیث کا اتنا عظیم کام کیا کہ ان کے خطابات ان کے کاموں کے سامنے دست بستہ نظر آنے لگے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جو کسی حسین، بہتاش کے بغیر کام کرتے تھے مگر جب اسلام میں ملکیت کا دور آیا تو بہت سے سربراہان مملکت نے اپنے درباری اہل علم و فضل کو بڑے اعلیٰ خطابات والقابات سے نوازا۔ تاریخ میں ایسے حضرات کے نام ملتی ہیں جنہیں ایسے خطابات سے نوازا گیا مگر حقیقت ہے کہ اگرچہ انہیں سربراہان مملکت نے خطابات دیے مگر ان حضرات نے بھی ان خطابات کا حق ادا کر دیا اور ان کی علمی و دینی خدمات کے پیش نظر واقعی یہ خطابات موزوں اور مناسب تھے۔

علمی اور دینی خدمات کے علاوہ ایسا طبقہ بھی سامنے آیا جو مختلف فنون، کمالات اور فہانت کی وجہ سے بڑے بڑے خطابات کا مالک بنا۔ ان درباری فن اور درباری فن نے اپنے خطابات کی لاج رکھی اور اپنے کمالات، فن اور فن کے جھنڈے کاڑھے اور دنیا کے علم و فن کے تسلیم کیا کہ واقعی یہ لوگ ایسے خطابات کے مستحق تھے۔

زوال امت کے ساتھ ساتھ زوالِ عالم و فن کا زمانہ آیا تو بہت سے درباری حضرات نے خطابات والقابات کے حصول کے لیے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اقتداری قوتوں کو خوش کر سکے اور ان سے مراعات حاصل کی جا سکیں جو ایسے خطابات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ تاریخی اوراق اس بات کی ثبوتی کرتے ہیں کہ بعض نااہل لوگوں نے ایسے ایسے خطابات حاصل کر لیے جو ان کی ذات کو زیب نہیں دیتے تھے اور جنہیں دیکھ کر کہنا پڑتا تھا کہ زنگی کا نام کا خور اندھی کا نام نور بھری بد صورت کا لقب پری چہرہ، یک چشم کل کوکل یکاوی کا نام دیا گیا۔ اگرچہ یہ بد صدیاں سے رائج یافتہ ہے مگر ہمارے

میں ان القابات اور خطابات کو جس انداز سے بانٹا گیا ہے یا حاصل کیا گیا ہے اس کی مثال عالم میں نہیں ملتی۔

اگرچہ دنیا کی اسلامی حکومتوں کے درباروں سے ایسے ایسے خطابات اور القابات تقسیم کیے گئے ہیں بعض خطابات یافتہ اہل تھے۔ مگر بعض ایسے بھی لوگ خطابات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جو نااہل تھے۔ جب اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں تو امراء و وزراء اور سپہ سالاران، افواج کے علاوہ خان، شعراء، علماء اور دانشوروں کو بھی مختلف خطابات اور القابات سے نوازا گیا جن کی تفصیلات ان میں جبری پڑی ہیں۔ مگر سلاطین کے درباروں کے برعکس بعض اولیا، کرام اور علما نے دیشان کو ان کے منصب و مقام کے پیش نظر ان کے اپنے مشائخ طریقت اور اساتذہ نے خطابات دیے۔ بعض اوقات عقیدت مندوں اور مریدوں نے بھی ان کے ارادہ عقیدت و احترام اپنے بزرگوں کو القابات دیے۔ حضرت سید ابوالحسن اہلبوری کو ”و تاج شمس“ سید خواجہ محمد الدین اجمیری کو ”خیر خواجگان“ حضرت نظام الدین اولیا کو ”محب الہی“ حضرت سید مسعود فاروقی کو ”مختار شمس“ جیسے خطابات والقابات سے متصف کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اور دوسرے صوفیائے عظام نے ان خطابات سے کہیں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

فضل و باشاہوں نے جہاں اپنے دربار سے علماء و مشائخ اور شعراء کو مختلف القابات سے نوازا وہاں دربار کے باہر یا دربار کے اندر علماء و مشائخ بھی بلند منصب القابات سے ملقب ہوئے۔ حضرت شیخ احمد رندی کو اس وقت کے زبردست عالم دین مولانا عبدالحکیم سیکوٹی نے ”مجدد الف ثانی“ کا لقب دیا۔ پھر خانوادہ محمدیہ کے چار بلند پایہ حضرات قیوم اول، قیوم ثانی، قیوم ثالث اور قیوم رابع کے خطابات سے مشہور ہوئے۔ مظلوم کے آخری دور اقتدار میں نقشبندی سلسلہ روحانی میدان میں پھیلا رہا۔ حضرت شیخ احمد رندی نے مولانا عبدالحکیم سیکوٹی کو ”آفتاب و جناب“ کے خطاب سے نوازا اور حضرت شیخ عبدالحق، محدث دہلوی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ایک وقت آیا کہ دنیائے اسلام میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے مختلف ناموں سے شہرت حاصل کی۔ ایک وقت تھا دنیائے علم و فضل میں ”ملا“ کا لقب بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ملا جانی ملا دوانی ملا صدرا جیسے نابھرو و نگار سامنے آئے مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ لقب اتنا عام ہوا کہ اپنا مقام کھو بیٹھا۔ ہر شخص نے اس لقب کو اپنا کر ”ملا“ سے ”ملاں“ بنالیا۔ شیعوں کے ہاں ”مجتہد“ کا لقب بڑا مقبول ہوا۔ مجتہد العصر، مجتہد الزمان، مجتہد العلم، مجتہد فی المبدأ جیسے خطابات تقسیم ہونے لگے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ذکر بھی مجتہد کہلانے جنہیں ناظرہ قرآن بھی پڑھنا نکل آتا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ہر مرید اپنے پیر کو ”قیلہ عالم“ کہا کرتا تھا۔ ہر شاگرد اپنے استاد کو ”مفسر العلماء“ کہتا تھا۔ ہر عقیدت مند اپنے شیخ کو ”قطب القاب و القباب“ کہا کرتا تھا مگر آہستہ آہستہ جب یہ خطابات پرستہ قدس آباد ہیشینوں اور درباری علماء نے اپنا لیے تو ان کی قدر و قیمت باقی نہ رہی۔ برصغیر میں انگریزی اقتدار آیا تو ہندو نے مغل سلطنت کی بعض روایات کو قائم رکھا۔ ان کے دربار سے وابستہ کئی علماء کرام اور شعراء عظام نے خطابات حاصل کیے۔ دولت عثمانیہ کے آخری فرمانروا نوابی حیدر آباد وکن نے ملا و فضلاء کو بڑے بڑے خطابات سے نوازا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے ہی خطابات کے مستحق تھے۔

پاکستان بنا تو یہ روایت حکومتی سطح پر بہت کمزور پڑ گئی مگر علمی اور روحانی اداروں میں خطابات و القابات کا مقابلہ چلا رہا ہے۔ ہم جب پاکستان کے ایسے القابات یا فاضل حضرات کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے ان خطابات سے نہایت پست بلکہ بعض اوقات ”برعکس ہند نام زدگی کا غور“ کا منظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خطاب یا فاضل حضرات علمی اور عملی معیار میں اس قدر پست تھے کہ ان کے القابات و خطابات بذات خود کاٹنے لگے کہ ہمیں کہاں لار کھا گیا ہے۔ بعض حضرات تو ایسے ہیں جنہیں یہ بھی نہیں سمجھیں کہ اس خطاب کے کیا معنی ہیں؟ اس کو کس امداد سے استعمال میں لانا ہے؟ بعض اوقات ان خطابات کا استعمال محض خیر نظر آنے لگا ہے۔

ایک پاکستان کے دوران و پوبند کے ایک سرخیل عالم مولوی حسین احمد دینی (ٹاٹووی) ہندوستان کے کیمپ سے وابستہ تھے۔ وہ تشکیل پاکستان کے خلاف زہر آلود تقریریں کرتے اور ہندوؤں کی حمایت میں بیان بازی کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ”شنگ اسلاف“ کہلاتے تھے۔ ایسی ہندو ”شنگ اسلاف“ کے لقب کے معنی سے ناواقف تھے۔ انہوں نے وہی میں ”حضرت آدمی“ کی زیر صدارت ایک کانفرنس منعقد کی اور بہت بڑا اشتہار شائع کیا جس میں مولوی حریف اسلاف تھا ”شنگ اسلاف مولانا حسین احمد دینی“ خطاب کریں گے۔

مولانا محمد بخش مرحوم تحریک پاکستان کے زبردست ترجمان تھے۔ وہ ایک عرصہ تک سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے احرار کی لیڈروں سے ملنے ملتے رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پورا ہند سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ گزارا مگر اس پورے ہفتے میں انہوں نے ایک نماز بھی نہ پڑھی مگر ان کا لقب ”امیر شریعت“ تھا۔

گندوپی شیعوں کے ایک زبردست ڈاکٹر ”شام غریباں“ میں لوگوں کو لایا کرتے تھے۔ ان کا لقب ”مجتہد العصر والزمان“ تھا مگر وہ ناظرہ قرآن پاک بھی نہیں پڑھے ہوئے تھے۔ واوی کشمیر میں ایک دیوبندی عالم تھے جن کی زبان میں کثرت سخی، بغیر کبھی نہ کی مگر وہ ساری زندگی ”میر واعظ“ کہلاتے رہے۔ دہلی کے دانشور جانتے ہیں کہ مرزا غالب کا ابتدائی تخلص ”اسد“ (شیر) تھا وہ ایک دن نواب مومن خان مومن کے گھر گئے تو نواب صاحب کے سکتے نے انہیں اندر نہ جانے دیا۔ جب نواب صاحب نے یہ منظر دیکھا تو زور سے آواز دی۔ اسدا اندر آ جاؤ مگر تو کوئی آمد کے بغیر اسدا اندر نہ جا سکے۔ اس دن سے غالب نے ”اسد“ کا لقب چھوڑ دیا۔

پاکستان میں جب علم و فضل کا جنازہ نکل گیا۔ روحانیت کے چراغ بجھ گئے اور خافا جن اہل اللہ سے خالی ہو گئیں تو یہاں کے علماء و فضلاء ”سجادہ نشینوں اور دربار نشینوں“ نے آگے بڑھ کر ان خطابات و القابات پر قبضہ کر لیا جو ان کے آباؤ اجداد کو جیتے تھے۔

ہندوستان کی سرزمین میں جب امام احمد رضا خاں بریلوی اپنے علم و لغوی اور دینی خدمات کی بدولت "اعلیٰ حضرت" کہلائے تو یہ خطاب اتنا ہیہندو کیا گیا اور عام ہوا کہ ہر شخص اپنے بیہرہ و سرکشہ کو "اعلیٰ حضرت" کہنے لگا اور اس طرح کئی عہدہ بائی اور ضلعی سطح کے "اعلیٰ حضرت" سامنے آ گئے۔

نقشبندی مجددی خانقاہوں سے وابستہ حضرات نے اپنے آپ کو ”قیوم مجسم“ ”قیوم زماں“ ”قیوم عصر“ ”قیوم وقت“ اور ”قیوم ملت“ کہلانا شروع کر دیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجدد کے لقب کو ”مجدد زماں“ ”مجدد وال سنت“ ”مجدد مسلک“ ”مجدد وراثت“ ”مجدد روحانیت“ اور ”مجدد علیت“ اپنایا جائے لگا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی نے اپنے والد گرامی کے افکار و فکری کوچہ پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے شاگردوں نے ”ملک العلماء“ ”صدرالفاصل“ ”صدر الشریعہ“ جیسے خطابات اپنانے کے گراب عالم دین مفتی اعظم مفتی زماں مفتی حجاب مفتی کراچی مفتی الہا بن ہرن کرایے سامنے آتا ہے جیسے ”مفتی“ کا خطاب ”مفت“ مل گیا ہو۔

اس وقت ہمارے نووارد علماء کو ”علامہ“ کہانے کا بڑا شوق ہے۔ سید محمد ہرمدی سے بلکہ ہر گلی کوچہ میں سینکڑوں ”علامے“ نظر آتے ہیں۔ اگر ان سے ”گلستان سعدی“ کے ایک شعر کا معنی پوچھیں تو آدمی کو اسی کو سمجھانے لگتے ہیں۔ ہمارے ایک زبردست مقرر جب ایک جلسہ میں خطاب کرنے گئے تو انہوں نے جلسے کے قد آدمی شہنشاہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج جلسے کے اشتہار میں زبدۃ العارفین..... کے عرس پر زبدۃ العارفین..... کی صدارت میں زبدۃ العارفین..... کا خطاب ہوگا۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر صاحب مزار صاحب صدر اور مقرر تینوں ”زبدۃ العارفین“ ہیں تو بحران میں اصلی زبدۃ العارفین کون ہوگا؟

آج ہر ملکی نشین "زبدۃ العارفین" ہے۔ آج ہر وعظ فروش "عمدۃ الواعظین" ہے۔ آج ہر نصرت فروش "حسان وقت" ہے۔ یہ تو ہم اپنے گھر کی بات کرتے ہیں اگر دیوبندیوں، وہابیوں، شیعوں

ان کے اکھاڑوں میں چلے جائیں تو آپ کو ایسے خطابات میں گمے کے عقل و دیگر رہے۔ ہم ایک واپی عالم کے پاس گئے تو انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کو آواز دے کر کہا ”اے! اے! اے! چار چار تیلیں لانا مہمان آئے ہیں۔ ہم بوتلیں پیتے رہے اور ”امام امن تیہ“ کو دیکھتے رہے۔ اے! ابھی تک منہ بھی نہیں دھویا تھا۔

ای طرح ہم ایک پیر خانے گئے تو صاحبزادہ صاحب نے ایک سوئے ہوئے درویش کو کہا
 ”اے فقیر! اور سامنے سے چائے لاکر مہمانوں کے سامنے رکھ۔ ہم خوش نصیب چائے پیتے گئے اور
 مدد و وقت کی زیارت کرتے گئے۔ شیعوں کی بارگاہوں میں کئی ”آیات اللہ“ گھومتے پھرتے
 رہا ہے۔“

انحطاطی دور ہو ایا واجب ہے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کو خدا خوش رکھے اس نے اس روان کو اپنی
 ایش میں ایسا عام کیا کہ ہر ایا واجب نے ”تمغہ حسن کارکردگی“ حاصل کر لیا۔ ہم ان تمغہ یافتگان
 سلام سے سٹے ملے ہیں تو ہمیں حافظ شیرازی یاد آتے ہیں جنہوں نے ”طوق زریں“ جس دور گردن
 کی ہے؟

ہمارے بڑے عزیز ایک دوست سابقہ دس برس سے ”تمنے“ کے حصول کے لیے بے چین ہیں۔
 نے انہیں کئی بار قسملی دی کہ نگہ نہ کرادگر ہمیں صدر یاوزیراعظم مل گئے تو تمہاری سفارش کریں گے۔
 مگر آج تک صدر ملے نہ وزیراعظم اور نہ سنا ہے دوست کو ”تمنے حسن کارکردگی“ ملا۔

ع: نہ رابطہ ان سے نہ پیاری آسماں سے

ہمارے یہی ملوثوں میں القابات و خطابات کا حصول اور پھر ان کا استعمال جس اعلان سے ہو رہا ہے وہ قابل غیور غیور ہے۔ اگر یہی رفتار رہی تو غریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہر 'بواہی' عشق پرستی کا 'بنا' بن جائے گا۔ اگر ہم علمی طور پر پیچھے رہ گئے ہیں تو ضروری نہیں کہ ہم غریبی، مافیہ، مافیہ، مافیہ اور جی کھائیں۔ چھوٹے القابات بھی انہماق سے کہتے ہیں اور صبر و استقامت کے ساتھ چھوٹے

گیت آؤٹ طالبان

حامد میر

مہترم حامد میر صاحب اہل پاکستان کے لیے بانی پبلیٹی شخصیت ہیں۔ تقریباً دو دہائیوں سے فنِ کلمات سے وابستہ ہیں اور مردانیت، قادیانیت کو اسلام و پاکستان کے لیے حقیقی فتنہ و خطرہ گردانتے ہیں۔ گاہے گاہے یہ شخص قسم بات اور رد و قادیانیت پر اپنے قلم کو حرکت میں لاتے ہوئے بارگاہِ خاتم النبیین ﷺ میں حاضری لگواتے ہیں۔ مقامِ "متم نبوت" کا تحفظ کرنے والے اداروں اور شخصیات کو مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ عہدِ پرویز میں پاکستان میں اُسے سب کے خانے کی بھالی میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ درج ذیل مضمون میں میر صاحب نے اسلام آباد کے روشن خیال بانیوں کی ایک جھلک دکھائی ہے جسے پڑھ کر ہر محبِ اسلام کا سرخرم سے جھٹک جاتا ہے۔

سترہ سالہ انبال کے ایک انکار نے اسلام آباد کی اشرافیہ کو حیران کن بلکہ پریشان کر دیا۔ انکار کا یہ واقعہ پاکستان نیشنل کونسل آف وی آرٹس کے ڈرامہ ہال میں پیش آیا جہاں وقافی دارالحکومت کے ایک معروف انگریزی میڈیم سکول کی تقریبِ تقسیم انعامات جاری تھی۔ رمضان المبارک کے باعث یہ تقریب صبح چھ بجے سے بارہ بجے کے درمیان منعقد کی گئی اور اتوار کا دن ہونے کے باعث ڈرامہ ہال طلباء و طالبات کے والدین سے بھرا ہوا تھا۔ والدین میں شہر کے معروف لوگ بھی شامل تھے۔ اس تقریب پر مغربی ماحول اور مغربی موسیقی غالب تھی جس میں حیرانگی کی کوئی بات نہ تھی۔ تقریب کی تمام کاروائی انگریزی میں ہو رہی تھی اور انگریزی زبان جہاں بھی جاتی ہے اپنی تہذیب کو ساتھ لے کر جاتی ہے۔ اس دوران سکول کی طالبات نے جنید حبیبیہ کے ایک پرانے گیت پر رقص پیش کیا۔ یہ گیت ایک سائنوی سلونی بخبودے کے بارے میں تھا جو شہر کے لڑکوں کو اپنا دیوانہ بناتی ہے۔ لہذا طالبات نے اس گیت پر دیوانہ وار رقص کیا اور حاضریں میں موجود سب کے طلباء نے اپنے والدین کی موجودگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کمرقص طالبات کو پیچ پیچ کر داد دی۔

القابات پر بھی استغنا کیا جاسکتا ہے۔ اس سے یقیناً ہماری شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

آج کل ہمارے بعض علماء کرام "انکساری" سے اپنے آپ کو "فقیر" کہتے ہیں۔ یہ ابھی روایت ہے مگر ان کے کلمہ اور فتوے کا یہ عالم ہے کہ کام کی بجائے کہتے ہیں "فقیر" نے آرام کرنا ہے۔ "فقیر" نے قبولہ کرنا ہے۔ "فقیر" گوشت نہیں ہے۔ "فقیر" چھ ہزار روپے لے کر تقریر کرے گا۔ "فقیر" پیار رہتا ہے اس لیے دیسی گھی میں پکی مرغی کھاتا ہے۔ "فقیر" کے پاس کچھ بھی نہیں تھا فقیر کے ایک عقیدت مند نے کاروے دی۔ "فقیر" کے ایک محب نے مکان بخود دیا۔ یہ "اللہ کے فقیر" واقعی فقیر نہیں جاتیں تو ان کا نام روشن ہو جائے گا اور مرنے کے بعد ان کی قبریں زندہ ہو جائیں گی اور ان کا وجود اس حدِ خاتم النبیین ﷺ کے لیے روشنی کا مینارہ بن کر چمکنے لگے گا۔



خدا اور رسول کی لعنت

کس کو کون پر؟

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھ آدمی ایسے ہیں کہ جن پر میں نے لعنت بھیجی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور چھ آدمی یہ ہیں۔

- اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا • وہ شخص جو جبر و قہر سے اقتدار حاصل کر کے اس آدمی کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہو اور جس کو اللہ نے عزت عطا کی ہو اس کو ذلیل کرے • اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا • اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والا • میری اولاد میں وہ آدمی جو بحرِ مائے کو حلال کرنے والا ہو • میری سنت کو چھوڑنے والا •

(رواہ البیہقی فی الشریح)

قصے بعد سچ سے 'اولیول' اور 'اے لیول' کے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء طالبات کے نام پکارے جانے لگے۔ گولڈ میڈل حاصل کرنے والی بعض طالبات اٹارف اور برقیے میں ملیوں تھیں۔ ایک طالب علم ایسا بھی تھا جس کے چہرے پر نئی نئی واڈھی آئی تھی اور جب پرنسپل صاحبہ نے اس کے گلے میں گولڈ میڈل ڈال کر اس کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہا تو دبے پتلے طالب علم نے نظریں جھکا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پرنسپل صاحبہ نے پوچھا کہ کیا تم ہاتھ نہیں ملانا چاہتے؟ تو طالب علم نے نفی میں سر ہلایا اور سچ سے چھپے اتر آیا۔

پھر دانیال کا نام پکارا گیا جو 'اے لیول' مکمل کرنے کے بعد ایک امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور صرف گولڈ میڈل حاصل کرنے اپنے پرانے سکول کی تقریب میں بلایا گیا تھا۔ وہ گولڈ میڈل وصول کرنے کے لیے پرنسپل صاحبہ کی طرف نہیں گیا بلکہ ڈاکس پر جا کھڑا ہوا اور مائیک نظام کر سنبھلے گا کہ وہ اپنے سکول کی انتظامیہ کا بہت شکر گزار ہے کہ اسے گولڈ میڈل کے لیے نامزد کیا گیا کیونکہ اسے انفسوس ہے کہ مذکورہ تقریب میں سکول کی طالبات نے رمضان المبارک کے تقدس کا خیال نہیں کیا اور وہابیات گیت پر دھن پیش کیا۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کے ملک میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی کے خلاف بطور احتجاج وہ گولڈ میڈل وصول نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ سچ سے اتر آیا اور ہال میں کھلبلی مچ گئی۔ کچھ والدین اور طلباء تالیاں بجا کر دانیال کی حمایت کر رہے تھے اور کچھ حاضرین غصے میں پاگل ہو کر اس نوجوان کو انگریزی زبان میں برا بھلا کہہ رہے تھے۔ بوائے گزٹ ہالوں والی ایک خاتون اپنی نشست سے کھڑی ہو کر زور زور سے چیختی..... "گیت آؤٹ طالبان، گیت آؤٹ طالبان"



جانے کس جرم کی پائی ہے سزا

حافظ شکیل انور بیگ

11 ستمبر کے بعد امریکی درندگی جب عروج پر تھی اس وقت ایوفاغراب جیل سے ایک مسلمان مبین فاطمہ کا ہند نالغ ہوا جس نے حکمرانوں کے ہوا قتل ہمتوں کو چھنود کر رکھ دیا تھا۔ چند سال بعد اب پھر ایسی ایک اور مسلمان اس کے متعلق دل خراش واقعات کو سن کر دل خون کے آنسو راتا اور یکبر مذکورہ آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس سہ ماہی کا اس مظلوم کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ صرف جذبات ہیں اور یہاں عمل چاہیے۔ ایسا عمل جو اس مظلوم کو اس "قہ دلانے" اسے آزادی مہیا کرے اور اسے قاتل قید کرنے والوں کو عادی عدالت انصاف کے کمرے میں لے آئے۔ کیونکہ جینی کو اس کی آزادی کا حق دلانا انفرادی نہیں اجتماعی بلکہ عکسوتی سطح کا معاملہ ہے۔ لیکن کیا کیا جانے سہ ماہی کا برین کا؟ انہیں تو اپنے بکھیروں سے فرصت نہیں ملتی۔ انہیں کیا معلوم! ڈاکٹر عافیہ اور اس جیسی دیگرانہ گنت ظالم پاکستانی خواتین پر کیا بیت رہی ہے۔ ہاں! اگر معاملہ صدر محترم یا وزیر اعظم کی کسی نو نظر تخت جگر یا صاحبزادی کا ہوتا تو پھر معاملہ ایسا نہ ہوتا۔ آج اگر ہمارے صدر محترم یا وزیر اعظم کی شان ڈاکٹر عافیہ کی جگہ پائی ہوں تو قصور کس پر تو انہیں ڈاکٹر عافیہ کی مظلومیت کی حقیقی تصویر نظر آئے گی کا ش.....

ڈاکٹر عافیہ اور ان جیسی دیگر سہ ماہی خواتین کی قید کے "مقوق نساواں" کی طہر اور طاقتوں کا حقیقی روپ اہل ہم کے سامنے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ کا تعلق ہے کچھ سے خاندان سے ہے ان کی والدہ ڈاکٹر بین ڈاکٹر اور ڈاکٹر عافیہ ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ کا قصور یہ نہیں کہ وہ بنیاد پرست رجعت پسند یا انتہا پسند ہے بلکہ اس کا قصور یہ ہے کہ وہ مسلمان کیوں ہے؟ کیا وجہ ہے کہ گوانا ناموے کے عقوت خانے میں کوئی غیر مسلم عورت قید نہیں؟ امریکہ، مغرب کی نامہاد جنگ و دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ہے جس کے متعلق ان کے جدا جدا "ناب بٹن" نے کیا کہا کہ "کر سٹرواڈ" (صلیبی جنگ) ہے۔

برطانوی خاتون صحافی ریڈی نے اپنی زندگی کے 11 دن طالبان کی قید میں گزارے تھے اور طالبان کے حسن سلوک کی وجہ سے ریڈی نے اسلام قبول کیا۔ اب وہ ایک مکمل مسلمان عورت بن چکی ہے اور اسلامی نام "مریم" ہے۔ ماہ جولائی 2008ء کو ریڈی نے میڈیا کو بتایا کہ افغانستان کے ہجرام

ہوائی اڈے پر موجود عقوبت خانے میں ایک پاکستانی خاتون قید تھائی کاٹ رہی ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ بگرام کے بندی خانے میں صرف ایک خاتون قید ہے جس کی رات کو چھین سائی دیتی ہیں تو وہاں موجود دوسرے قیدیوں کے دل لرز اٹھتے ہیں۔ وہ خاتون دوسرے قیدیوں کے لیے ایک بھوت بن چکی ہے۔

میں نے جب ریڈیو کا یہ بیان پڑھا تو میرا دل خون کے آنسوؤں سے لگا اور میں سوچنے لگا کہ پاکستانی شہریت رکھنے والی خاتون کے ساتھ کس طرح امریکہ کی ظالم سلوک کر رہے ہیں اور اسے کس گناہ کی سزا دی جا رہی ہے؟ ایک عورت امریکہ کے لیے کس طرح دہشت گرد بن سکتی ہے؟ ایک مسلمان خاتون پر آج تک کتنے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھونڈ چکے ہیں؟ قارئین کرام! آپ تصور کریں کہ ایک مشرقی دنیا کی علبردار مسلمان خاتون کس طرح غیر مسلم کفار کے سامنے انتہائیں کرتی ہوگی اور ان سے ضرور یہ سوال پوچھتی ہوگی کہ مجھے پاکستانی شہریت اور مسلمان خاتون ہونے کی وجہ سے یہ اذیتیں دی جا رہی ہیں؟ اب تو وہ اپنی سابقہ یادداشت کھوجکی ہے اور نفسیاتی سرینس بن چکی ہے۔ اس کے دل میں یہ خواہش ضرور اٹھائی لیتی ہوگی کہ شاید کوئی پاکستانی مرد "عمر بن قاسم" کی شکل میں آئے اور مجھے کفار کی قید سے آزاد کرادے۔ اسے کیا معلوم کہ تمام پاکستانی آج اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے حکمرانوں کے سامنے احتجاج تک نہیں کر سکتے اور تمام پاکستانی سیاستدان اور حکمران اتنے بے بس اور لاچار 61 سالہ تاریخ میں پہلے کبھی نہ تھے۔ وہ امریکی آقاؤں کو یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر امریکہ تم ہے میرے آقا!

پاکستانی حکمرانوں! تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے یاد ہے سب ذرا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ایک امریکی صحافی وٹیل پرل کو کراچی میں قتل کیا گیا تو اسی وقت امریکی حکمران حرکت میں آ گئے تھے اور بالآخر اس کے قتل کا ذمہ دار اہل کانسی کو ٹھہرایا گیا۔ پاکستانی حکمرانوں کی ہے جیسی اس وقت تمام دنیا کے میڈیا کو دیکھنے میں ملی جب اہل کانسی کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر دیا گیا، راستہ زہر کے شیکے لگا

مل لیا گیا۔ کسی پاکستانی حکمران نے اس کے قتل پر احتجاج نہ کیا۔ اسی طرح آج ڈاکٹر عافیہ صدیقی فار کی قید میں ہے اور پاکستانی حکمران خاموش قماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس کیوں کا؟ اب شاید کسی کے پاس نہ ہو۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی 12 مارچ 1972ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کرنے کے بعد یوشن یونیورسٹی اور میچوئس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (MIT) امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے نیورولوجی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ جب امریکہ میں ٹائن ایون کا واقعہ پیش آیا تو پاکستان آگئی اور پھر امریکہ واپس چلی گئی۔ 2003ء میں ایک بار پھر پاکستان آئی اور اس دوران ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے اپنے چچا سے ملاقات کرنے کے لیے کراچی سے اسلام آباد کا سفر شروع کیا تو راستے میں ہی اپنے 3 بچوں سمیت غائب ہو گئی۔ بعد میں اسے امریکہ کی طرف سے دہشت گرد قرار دیا گیا اور الزام یہ لگایا کہ وہ القاعدہ کی ایک بہت بڑی آپریشنر ہے۔ اس کی تصویر دہشت گردوں کی لسٹ میں شامل کر دی گئی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ایک دن اسے دہشت گرد قرار دے کر قیدی نمبر "650" لٹا کر دیا جائے گا اور اسے افغانستان کے بگرام ہوائی اڈہ کے بندی خانے میں کفار کے ظلم و ستم برداشت کرنا پڑے گا۔

البتہ جیسن رائٹس ایڈیویشن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ بگرام ہوائی اڈے پر موجود بندی خانے میں 650 نمبر قیدی خاتون غالباً ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہے۔ اگر وہ واقعی ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہے تو پاکستانی حکمرانوں کی غیرت اسلامی کے لیے سوالیہ نشان ہے؟ اگر بھارت کے جاسوس "ڈاکٹر عافیہ صدیقی" کو پاکستانی صدر پرویز مشرف معاف کر کے بھارت روانہ کر دیا سکتے ہیں تو پاکستانی شہریت رکھنے والی خاتون ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو کیوں رہا نہیں کروا سکتے؟

آج مجھے مسلمانوں کی شاندار تاریخ کا وہ واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک عورت نے تاج بن یوسف کو دیکھا تھا اور کہا تھا کہ میری عزت کو خطرہ ہے۔ یہی عزت کون بچاے گا؟ اس وقت تاریخ کے

صفت پر مسلمانوں کی جرأت اور غیرت اسلامی کا وہ شاندار واقعہ رقم ہوا جب جارج بن یوسف نے جرنیل محمد بن قاسم کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ مظلوم عورت کی لپکا پر پہنچ جائیں۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ محمد بن قاسم غیرت اسلامی سے سرشار دھیل (کراچی) کو فتح کرتا ہوا ملتان کے قلعہ تک پہنچ گیا۔

عورت کا تعلق کسی بھی مذہب کسی بھی فرقہ سے ہو وہ تمام انسانوں کے لیے قابل احترام ہوتی ہے۔ اُس کی عزت کی حفاظت کرنا تمام انسانوں کا فرض ہے۔ مسلمانو! اُس وقت کو یاد کرو جب ایک عورت شام سے دمشق تک سفر کرتی اور وہ زبور سے آراستہ ہوتی تھی لیکن اُس کی عزت جان اور مال کو کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا۔

پاکستان کے پاسیو! آج کتنے ہی آدمی ہیں جو گوانتا نامو بے ابو غریب اور بگرام ایئر بیس میں موجود ہندی خاتون میں امریکہ کے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں اور زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں لیکن ہمارے حکمران اپنی کرسی اقتدار کو بچانے کے لیے وائٹ ہاؤس کا طواف کر رہے ہیں۔ آج میں پاکستان کے ایوان اقتدار میں بیٹھے والے سیاستدان اور موجودہ اتحادی جماعتوں کے حکمرانوں سے یہ سوال ضرور پوچھتا ہوں کہ کل قیامت کے دن جب سب سے اعلیٰ درجہ عدالت خالق کائنات کی ہوگی اور ڈاکٹر غازی صدیقی سمیت کتنے ہی مظلوم انسانوں کا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان ہوگا۔ اس وقت تم حکم الٰہی کیسے کی عدالت عالیہ میں کیا جواب دو گے؟

امریکہ کی خوشنودی کی خاطر بہت کچھ ہو چکا۔ اکبر کٹی کو قتل کر دیا گیا۔ ہاجوڑ انجینیئرس میں 30 اکتوبر 2006ء کو امریکہ کی بمباری سے دینی مدرسہ شفاء العلوم تباہ کر دیا گیا اور 83 بے گناہ بچے شہید کر دیے گئے۔ لال مسجد آپریشن اسلام آباد میں تقریباً 1500 طلباء و طالبات جاں بحق ہو گئے۔ تقریباً 1800 پاکستانی افراد امریکہ کے حوالے ہو چکے۔ جہند انجینیئرس میں موجود پاکستانی چیک پوسٹ پر امریکی حملہ سے ایک میجر سمیت 11 فوجی جوان شہید ہو چکے۔ خورگشیاں سب زنگاری اور مہنگائی

اچھا کرتا ہوا ڈوہا پاکستانی عوام کو نگل چکا ہے۔ خدا را پاکستانی حکمرانوں امریکہ کی Do more کی پالیسی کو ترک کر کے پاکستان کی سالمیت کا سوچو۔

آج فیصلہ دینا میں بسنے والے تمام انسانوں کے ہاتھ میں ہے کہ دنیا میں دہشت گرد کون ہے؟ اب طرف ظالمان ہیں جن کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر برطانوی صحافی ریڈی (مریم) نے اسلام لال کیا اور دوسری طرف امریکہ ہے جس کی دہشت گردی سے مسلم ممالک کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ آج وقت ہے کہ 159 اسلامی ممالک کے سربراہان مکمل اتحاد کر لیں اور کفار کے خلاف سیسہ پلائی ہو وار بائیں تاکہ کسی کو جرأت ہی نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی غیرت اسلامی کو چیلنج کر سکے۔



تین بیماریوں سے بچنے کا

حضرت قتیبہ بن عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں میں بوڑھا ہو گیا ہوں میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ چیز سکھائیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قتیبہ! صبح کی نماز کے بعد تین دفعہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ کہو۔ اس سے تم اندھے پرانے گورڈی پرانے اور فاسخ سے محفوظ رہو گے۔ اے قتیبہ! یہ دو بھی ناچار کرو اللهم انی اسئلك ممعا عندک والحض علی من فضلك وانشور علی من در صحتک وانشور علی من بر صحتک کہ توبہ اے اللہ! میں ان نعمتوں میں سے مانگتا ہوں جو تیرے پاس ہیں اور اپنے فضل کی جگہ پر ہمارے کردار پر تیری رحمت مجھ پر پھیلا دے اور اپنی رحمت مجھ پر نازل کر دے۔

(حیۃ الصحابہ جلد سوم صفحہ ۱۷۹)

اسلام کی ترجیحی بنیاد صلح و مفاہمت یا جہاد مولانا عبد الباقی نعمانی

مولانا عبد الباقی نعمانی دارالعلوم قادریہ چڑاگوت، بڑی (اٹارپا) کے مکرم ہیں۔ مولانا کا درجہ ذیل مقالہ بالخصوص اہل یورپ اور ناگجہ مسلمانوں کے لیے دعوت لکھ کر آئے اسلام میں جہاد کی اہمیت، شرائط اور حدود و قیود ملاحظہ فرماتے ہوئے تعصب کی عینک اتار کر فیصلہ کریں کہ اسلام میں کس موقع پر صلح و مفاہمت کا حکم ملتا ہے اور کس موقع پر جنگ و قتال کا نیز یہ کہ اسلامی فریضہ جہاد کو کس طرح ایڈنوں اور فیروں نے عدم واقفیت و طبیعت کی بنیاد پر طعن و تشنیع کا ذریعہ بنایا ہے۔ درج ذیل مقالہ مصروف سنی جریدے ماہنامہ جام نور کے مئی 2004ء کے جہاد نمبر سے لیا گیا ہے۔ ماہنامہ جام نور ذیل کے خصوصی شکر کے ساتھ مقالہ حاضر خدمت ہے۔

جہاد کیا ہے؟ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ جہاد کے معنی لغت میں "مشقت اٹھانے" کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کفار کے ساتھ قتال کی مشقت اٹھانے کے ہیں نیز کبھی کبھی جہاد کے معنی بھی آتے ہیں کہ آدمی اللہ کی رضا کے لیے اعمال شاذہ کرے اور نفس کو اس کی مرضی کے خلاف اعمال خیرہ نہ لگائے اور اسے (نفس کو) ذلیل کرے۔

بشرط استطاعت و استعجال شرائط جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اگر دشمن ہجوم کریں (یعنی یکساہی حملہ کر دیں) تو فرض عین ہے یہاں تک کہ عورتوں پر بھی۔ ۱۔

علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں کہ جہاد شرعی معنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جان مال اور دربان کو انتہائی وسعت اور طاقت سے خرچ کرنا ہے۔ ۲۔

علامہ بامرتی حنفی صاحب عثمانیہ اور حضرت کمال ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ دین حق کی طرف

۱۔ یہاں اور جو اس کی دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان مال کے ساتھ جنگ کرنا جہاد

حضرت صدر الشریعہ علامہ احمد علی اعظمی علیہ الرحمہ بہار شریعت میں ارقام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ کافروں کو دین اسلام کی طرف بلائیں اگر دین حق کو قبول کر لیں زہے صوبہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت فرما دے تو یہ اس بہتر ہے جس پر آفتاب نے طلوع کیا یعنی جہاں سے جہاں تک آفتاب طلوع کرتا ہے یہ سب اہل مل جاتے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تمہاری وجہ سے کسی کو ہدایت ہو جائے اور اگر کافروں نے یہ حق کو قبول نہ کیا تو بادشاہ اسلام ان پر جزیہ مقرر کر دے کہ وہ ادا کرتے رہیں اور ایسے کافروں کو "ذمی" کہتے ہیں اور جو اس سے بھی انکار کریں تو جہاد کا حکم ہے۔ ۲۔

مکرم جہاد: جہاد ابند افرض کفایہ ہے کہ ایک جماعت نے کر لیا تو سب بری الذمہ ہو گئے اور سب سے چھوڑ دیا تو سب کفار ہیں۔ اگر کفار کسی شہر پر ہجوم کریں (یکساہی حملہ کریں) تو وہاں والے قابض کریں اور ان میں اتنی طاقت نہ ہو تو وہاں قریب والے مسلمان اعانت کریں اور ان کی طاقت بھی باہر ہو تو جوانوں سے قریب ہیں وہ بھی شریک ہو جائیں۔ ۳۔

اگر کفار ہجوم کر آئیں تو اس وقت (جہاد) فرض عین ہے۔ یہاں تک کہ عورت اور غلام پر بھی امن ہے اور اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ عورت اپنے شوہر سے اور غلام اپنے مولیٰ سے اجازت لے لیا جائے نہ دینے کی صورت میں بھی جائیں اور شوہر مولیٰ پر منع کرنے کا گناہ ہوا۔ یوں ہی (ایسی صورت میں) ماں باپ سے بھی اجازت لینے اور پند (مقروض) کو وائے سے اجازت کی حاجت نہ ملے نہ لینے بھی جائے۔ ہاں پر انہما میں جو کہ جانے پر قادر نہ ہو تو اسے معافی ہے۔ ۴۔

شرائط جہاد: جہاد واجب ہونے کے لیے شرط ہے کہ اسلحہ اور لڑنے پر قدرت ہو اور کھانے پینے سامان اور سواری کا مالک ہو نیز اس کا غالب گمان ہو کہ مسلمانوں کی شوکت بڑھے گی اور اگر اس کی امید نہ ہو تو جائز نہیں کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی انہیں پہلے دعوت اسلام دی جائے بغیر دعوت ان سے لڑ جائز نہیں اور اس زمانہ میں ہر جگہ دعوت پہنچ چکی ہے ایسی حالت میں دعوت دینا ضروری نہیں مگر پھر بھی اگر ضرر کا اندیشہ ہو تو دعوت حق دینا مستحب ہے۔

عہد توڑنا جائز نہیں: عہد توڑنا مثلاً یہ عہد کیا کہ اتنے دنوں تک جنگ نہ ہوگی پھر اسی زمانہ عہد میں جنگ کی یہ جائز ہے۔

مشترک ہے: مشترک یعنی ناک، کان یا ہاتھ پاؤں کا ناپا مکہ کالا کروینا منع ہے یعنی فتح ہونے کے بعد شریک اجازت نہیں۔

عورت اور بچہ وغیرہ قتل کرنا منع ہے: عورت اور بچہ اور پاگل اور بہت بوڑھے اور اندھے اور لہجے اور اپانچ اور راب اور پوجاری جو لوگوں سے ملنے ملتے نہ ہوں یا جس کا دہانہ ہاتھ کٹا ہو یا خشک ہو گیا ہو ان سب قتل کرنا منع ہے یعنی جب کہ لڑائی میں کسی قسم کی یہ مدد نہ دیتے ہوں۔

صلح کا حکم: اگر صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو صلح کرنا جائز ہے اگرچہ کچھ مال لے کر یا دے کر صلح کی جائے صلح کے بعد اگر مصلحت صلح توڑنے میں ہو تو توڑ دینا گمراہی ہے کہ پہلے انہیں اس کی اطلاع کر دیں اور اطلاع کے بعد فوراً جنگ شروع نہ کریں بلکہ اتنی مہلت دیں کہ فریاد نہ اٹھائے

۱۔ عالمگیری اور فقہ زہرا بشریت جلد: ۹ صفحہ: ۱۳۵

۲۔ مجمع الزہراء بشریت جلد: ۹ صفحہ: ۱۳۷

۳۔ فقہ زہرا بشریت جلد: ۹ صفحہ: ۱۳۷

۱۔ لٹ میں اس خبر کو پہنچا دے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ صلح میں کوئی مہمان نہ ہو اور اگر مہمان ہو جائے تو اس کی کچھ حاجت نہیں۔

کسی کافر کو امان دینے کا حکم: مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کافروں میں کسی ایک کو یا جماعت یا شتم کرنے والوں کو پناہ دے دی تو امان صحیح ہے اب قتل جائز نہیں اگرچہ امان دینے والا فاسق یا حدیثاً بہت بوڑھا ہو۔

۱۔ کام جہاد: بہت اختصار کے ساتھ جہاد سے متعلق چند ضروری احکام پر قلم کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کا مقصد جہاد اور طریقہ جہاد کیا ہے؟ اس پر بھی اجمال روشنی پڑ جائے۔

مہمہ رسالت میں کئی زندگی تو نہایت صبر آزمائی قدم قدم پر مصائب و آلام نے رکاوٹوں کی وجہ سے کفر کی کڑوائی تھیں لیکن مرضی مولیٰ بھی تھی کہ وہ حق غالب ہو ﴿لنظہرہ علی الدین کلمہ﴾ اس کا صاف ارشاد ہے۔ ہاں مکہ کی وادیوں میں اسلام کو بے دست و پا اس لیے چھوڑ دیا گیا تاہم مہمہ مسلمان جو بغیر کسی لالچ اور بغیر کسی خوف کے شخص اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اور کفر سے پرستی سے طبعی طور پر تفرک و جد سے اسلام لے آئے تھے وہ مصائب کی بھٹی میں تپ کر کھرے ہوئے تھے بھی قیمتی بن جائیں اور ان کا ایمان پھانسی پھانسی سے بھی زیادہ مضبوط ہو کر اہل کفر کو محنت فکروے۔

مقام غور ہے کہ سرزمین مکہ پر جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو کفار کہہ کر لیا کہ یہی ناکہ اہل اسلام ایک خدا کی پرستش کرنے لگے اور جو تھے خداؤں سے منسوب کیا۔ آخر مسلمانوں نے جو بہت حق تعالیٰ تعادلوں میں تھے نہ مقابلے کی تاب رکھتے تھے اور نہ کافروں کا کچھ بگاڑ سکتے تھے کافروں کا کیا کیا؟ بلکہ دوسرے اعلان ہو گیا کہ ﴿لکم دینکم و لسی دین﴾ تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا

۱۔ رد المحتار زہرا بشریت جلد: ۹ صفحہ: ۱۳۸

۲۔ رد المحتار عالمگیری زہرا بشریت جلد: ۹ صفحہ: ۱۳۸

دین، مگر پھر بھی مکہ کی زمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی۔ خدا کی زمین پر خدا کی پرستش کو جرم سمجھ جانے لگا اور خدا کے پرستاروں پر ظالم کے بیاد توڑے جانے لگے۔ گھروں سے نکالنے کی دھمکیاں دی جانے لگیں، بائیکاٹ کا عمل بھی روا رکھا گیا حتیٰ کہ کفار مکہ نے اپنے چھوٹے خداؤں کی قسم کھا رکھی تھی کہ ان مسلمانوں کو اس قدر ستایا جائے گا کہ انہیں اپنے آب و اجداد کے مذہب پر واپس آنا ہی پڑے گا۔

انہیں حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ضیاء القلم بیہ کرم شاہ ازہری رقمطراز ہیں کہ: 'میں تو حید کے ان دل باختہ پروانوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا اور عام لوگوں پر جو شکنجہ ستم کی جاتی رہی اس کا تو ذکر کرتی کیا۔ بڑے بڑے متول اور رئیس خاندانوں میں سے اگر کوئی نوجوان باطل سے دل برداشتہ ہو کر حق کا دامن پکڑ لیتا تو اس کے بڑے بڑے اس سے پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے۔ خاندان بنی امیہ کے روشن چراغ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے چچا کا یہ معمول تھا کہ جانور کے کچے بے بودار چمڑے میں انہیں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتا'۔ نیچے سے تانبے کی طرح بھٹی ہوئی ریت اوپر سے عرب کے سورج کی آتشیں کرنیں اس پر کچے چمڑے کی بدبو۔ ایک عذاب میں اس بڑے نے بیسیوں عذابوں کو یکجا کر دیا تھا۔ اس طرح اپنے سنگینہ نتیجے پر دل کی بھڑاس کا لٹا پھر بھی دل سیر نہ ہوتا۔

سورہ عالم علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات بھی ان کی لرزہ خیز ستم کشیوں سے مستثنیٰ نہ تھی۔ آذاریں کسنا، پستیاریں اڑانا، طرح طرح کے چھوٹے الزامات لگا کر کھانا، راستے میں کانٹے بچھانا، حرم پاک میں مسجد کے حالت میں حضور کی مبارک گروں پر بدبودار اچھڑا کر ڈال دینا، پھر اس پر خوش ہونا اور ہنسنے ہنسنے لوٹ پوٹ ہوتے رہنا، یہ ان ظالموں کا روز کا معمول تھا۔ طائف کی شاہراہوں پر اس مرقع حسن و دلہری پر جس بے دردی سے انہوں نے سنگ باری کی، شعب ابی طالب میں تین سال کی طویل مدت تک حضور اور حضور کے خاندان کا محاصرہ اور قطع تعلقات، ان کی روح فرسا

تو بڑا کون سا دل ہے جو شکبار نہ ہو جاتا ہوگا؟

ختم کا یہ چاکہ سلسلہ ہفتہ و ہفتہ سال دو سال تک جاری نہیں رہا بلکہ پورے تیرہ سال ان حالات کا نبی رحمت ﷺ اور حضور کے صحابہ کو سامنا کرنا پڑا۔ وہ ظلم کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کا دل اور اس کے اولوالعزم صحابہ پر مثال عبرت و استقامت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ کبھی کوئی جوانی دہائی نہیں کی، کبھی ان کی سنگ دلی کے جواب میں تلخ و ادنیٰ تک نہیں کی۔ اُدھر سے جو رو جٹا کی انتہا ہی تھی اور اُدھر سے پیکران تسلیم و رضا سبر و استقامت کے پہاڑ بن کر انہیں برداشت کر رہے

۱۔

ان حالات میں کون خود دار انسان ہے جو پھر کر سامنے نہ جائے اور جان تک کی بازی لگانے پر اپنے و مجبور نہ پائے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار مکہ کی آفتوں سے گھبرا کر بارگاہہ ﷺ میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو باعزت ہیں اور اب جب کہ ایمان لائے آئے ہیں ان کفار نے ہمیں ذلیل کر ڈالا ہے ہمیں ان سے جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں کو روک رکھو! ابھی تک مجھے ان سے قتال کی اجازت نہیں ملی ہے۔ ۲۔

گویا اہل ایمان کو ابھی بتایا جا رہا ہے کہ ان کے ایمان کو نکھرے سونے کی طرح تابناک بنانے کے لیے ابھی سبر و شکیب کی بجائی سے گزارا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ذرا بھی کچے ایمان کا کوئی بھی ادا تو پھسل جاتا اور اس کے پاؤں ڈگمگا جاتے۔ مگر اللہ نے ایمان ان کے دلوں میں نقش فرما دیا تھا، دل گرامی و قاطع ﷺ کی ایسی محبت اور ان کی اطاعت کا ایسا چاند چھپا نہ کہ ان کے قلوب میں بھر دیا تھا۔ یہ نبی مرضی رسول کے وہ اخ خود کچھ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

جب جبر و تشدد کی انتہا ہو گئی تو رحمت خداوندی نے رسول ﷺ و ایمان رسول کو مکہ سے مدینہ منورہ لے کر آجائے۔ ۳۔

۱۔ نبیاء و انبیاء: جلد ۳۰، صفحہ ۳۳

ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور صحابہ کرام موقع بہ موقع مدینہ ہجرت کرتے رہے۔ عین سومیل دور کہہ سکتے ہیں جو پہلے شرب کے نام سے موسوم تھا اس کی طرف ہجرت کرنا آسان نہ تھا۔ ہر طرف کفار گھاٹ میں ہیں، مسلمان بے سرو سامان ہیں، عزیز و اقارب میں اکثر ساتھ دینے سے جواب دے چکے ہیں۔ ایسے ہیں ایمان کی دولت کو لے کر اپنے جسم و جان کو خطرات میں ڈالنا اور مدینہ پہنچنا انہیں عاشقان با وفا کے دل گردے کی بات تھی۔ لیکن حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ پہنچنے پر بھی بچپن سے رہنے نہیں دیا گیا، ان کے خلاف ریشہ و دناویاں شروع ہو گئیں، انہیں مدینہ سے بھی لٹکانے کی تدبیریں سوچی جانی لگیں۔ اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے کفار مکہ نے اپنے حلیوں کو جو مدینہ میں تھے اکسائنا شروع کیا۔ انہیں دھمکیاں دیں کہ اگر ان مسلمانوں کو مدینہ سے نہیں نکالتے تو ہم تمہارے اوپر حملہ کر دیں گے۔ ہمارے جنگجو تمہارے جوانوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنی لوبڑیاں بنالیں گے۔

جب یہ خبر عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں کو ملی تو انہوں نے حملے کی ٹھان لی۔ اس کی اطلاع جب رسول پاک ﷺ کو ملی تو حضور ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں فرمایا کہ اگر قریش مکہ کی جسکی سے مرعوب ہو کر تم ہم سے جنگ کرو گے تو تمہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا بہ نسبت اس کے کہ تم اہل مکہ سے جنگ کرو۔ کیوں کہ وہ تمہارے رشتہ دار نہیں، تمہارے قبیلہ کے افراد نہیں۔ سر کاٹنے کے لیے یہ بات انہیں انتہائی گھٹی اور جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔

یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کو جب یہ جسکی ملی تو انہوں نے اہل اسلام سے جو معاہدہ امن کیا تھا اسے توڑ دیا۔ جب حضور اقدس ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا بخدا جب تک معاہدہ نہ کر دو گے میں تمہیں امن نہیں دوں گا۔ انہوں نے معاہدہ امن سے انکار کیا تو ان سے جنگ ہوئی۔ پھر بتقرظ کو معاہدہ امن کی دعوت دی تو انہوں نے بھی انکار کیا۔ جب معاہدہ سے انکار کیا تو ان سے بھی جنگ ہوئی اور انہیں شکست کھانا پڑی۔ کفار مکہ کی جب یہ سازش بھی ناکام ہوئی تو انہوں نے براہ

محلی آمیز خط لکھا کہ مسلمانوں! خوش نہ ہو کہ تم ہمارے جنگل سے نکل کر وہاں (مدینہ) پہنچ گئے ہو! ہم تمہاری ہستی پر چڑھائی کریں گے اور تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے سب کو تہ تیغ کر دیں گے۔

ان حالات میں کیا مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے کہ طرح تند و تیز آندھیاں مخالفت میں اٹھ رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مخالفت کی آگ سرد کرنے کے لیے ہاتھ نہ ضروری تھا کیونکہ رسول گرامی ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد تو اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور خدا کی یاد کا خلافت بلند کرنا تھا۔ اسلام جو دین فطرت و سلامت تھا اس کا پھر بیا سارے عالم پر لہرانا تھا اب خدا کی رکاوٹوں کو دور کرنا بھی اہم مقاصد میں شامل ہو گیا۔ پھر کیا تھا دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں وہ بھی روڑا بننا اسے دعوت اسلام دی جاتی۔ اگر اسے قبول نہ کیا جاتا تو معاہدہ امن کی باتیں پیش کر کے ان عامیو کو بحال رکھنے کی کوششیں کی جاتیں۔ جب ہر تدبیر نفل ہو جاتی تو پھر آخری کام جہاد تھا۔ اس کے بغیر کاروان حق آگے بڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ان حالات میں اسلام کا پرچم لہرانا تقریباً ناممکن تھا چونکہ دین اسلام خدا کا دین تھا اور ہر حق حق اس کو علی الاعلان پھیلانے کا حکم بھی خدا ہی نے دیا تھا اس لیے اس میں غفلت کرنا بھی جرم تھا۔ اس ضروری مقصد کی تکمیل کے لیے راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری تھا اور یقیناً یہ آج بھی ایک جگہ باقی ہے۔ باقی رہی آج کی دہشت گردی اس کو اسلامی معاہدہ امن کو توڑ کا نہیں۔ کیوں کہ نہ آج اسلامی اصولوں پر دعوت اسلام دی جاتی ہے نہ معاہدہ امن کی اجیل ہوتی ہے نہ بادشاہ اسلام کی طرف سے باضابطہ کوئی اذن جہاد ہوتا ہے اور نہ ہی اعلاء کلمۃ اللہ مقصود بنایا جاتا ہے نہ ہی شوکت مسلمین کی فکر کی جاتی ہے بلکہ بعض نا عاقبت اندیش جو جہاد کرتے ہیں اس سے مسلمانوں کی تو تڑپا لیں ہی ہوتی ہے۔

اسلام میں نقص عبد کا بہت بڑا وبال بیان کیا گیا ہے۔ میدان جنگ ہو یا ہنگام امن ہر حال میں ہمہ ہی سے روکا گیا ہے قرآن کریم میں ہے کہ لا یفسدوا بالعہد ان العہد کسان

مسنو لا یحکم اور عید پورا کرو بیچک عہد سے سوال ہوتا ہے۔

اگر کوئی قوم جو کافر ہے تنہا کی راہ میں اختیار کرتی بلکہ صلح و امن کی خواہاں ہے تو اس سے معاہدہ امن اور صلح کر لینی چاہیے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ہے ﴿وَإِنْ جُنَحُوا بِالنِّعْمِ فَاجْعَلْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکنا اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یعنی اگر کفار جنگ کے بدلے صلح پر آمادہ ہوں تو انہما وقت یا بادشاہ اسلام کو چاہیے کہ خوش ریزی سے ہاتھ اٹھا لے اور صلح کر لے۔ یہ حکم امیر یا سلطان سب کے لیے برابر ہے یعنی اگر صلح میں مصلحت سمجھے تو صلح کرے۔ ہاں مصلحت کسی اور طرف ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ ہر دو صورت میں اللہ پر بھروسہ ضروری ہے۔ اپنی حکمت اور شان و قوت کو ہی سب کچھ نہ سمجھ لے اور سورہ نساء میں بھی یہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ﴿فَإِنْ عَمِلُوا كُفْرًا فَلُمُّهُمْ بِمَا عَمِلُوا﴾ البکم السلم فما جعل اللہ علیہم سبیلاً۔ یہ پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نڈرائیں اور صلح کا پیام دالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں رکھی (یعنی اب جہاد کی اجازت نہیں) اور جو صلح نہ چاہیں لڑائی سے باز نہ آئیں ان سے جہاد کی اجازت ہے۔ جب کہ اسی سورہ نساء میں آگے ارشاد ہے۔ ﴿فَإِنْ لَمْ يَحْزُواكُمْ وَبَلَّغُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَكَفُّوا أَيْدِيَهُمْ وَأَفْضَلُوا مِنْ ذَلِكَ حَبْثُ ثِفْتَيْنِمْوَهُمْ وَأُولَئِكَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ حَبِيبٌ﴾ یہ پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں (اور جنگ سے باز نہ آکر) صلح کی گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ رکھیں تو انہیں چلا دو اور جہاں پاؤں نقل کرو۔ ان واضح ارشادات کے باوجود بھی اگر کوئی اسلام پر وہشت گروئی کا الزام لگائے تو وہ خود بہت بڑا وہشت گرد ہے ورنہ اسلام کا چہرہ آج بھی صاف و شفاف ہے۔

قرآن کریم میں جہاد و قتال سے متعلق متعدد آیات ہیں اور تمام آیتوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ

۱۔ نبی اسرائیل پر: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا السَّاعَةَ﴾ آیت: ۳۳

۲۔ انفال: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا السَّاعَةَ﴾ آیت: ۶۱

۳۔ نساء: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا السَّاعَةَ﴾ آیت: ۹۰

۴۔ نساء: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا السَّاعَةَ﴾ آیت: ۹۱

کہا کہ اسلام کیا چاہتا ہے۔ ان میں ہر برآیت کا اپنا الگ ہی منظر اور شان و نزول ہے اس میں سے بہت کم کسی آیت کو پورے طور پر نہیں سمجھا جاسکتا چونکہ جیسے حالات تھے ویسے ہی احکام نازل ہوئے۔ جہاں سے متعلق تمام آیات کا ایک ہی مفہوم ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک کا مقصد نزول ایک نہیں۔ جہاں سے متعلق ساری آیات کو پیش کرنا کسی مختصر مقالے میں مشکل ہے۔ اس کے لیے یہیم کتاب کی طرح داخلی پڑے گی۔

بہر حال آج ضرورت ہے کہ جہاں سے متعلق جملہ آیات اور احادیث کو ان کے پس منظر کے ساتھ ملجا منظر عام پر لایا جائے تاکہ ایک طرف تو مخالفین و متعصبین کے بے بنیاد اور محاذانہ اعتراضات کے جوابات دیے جاسکیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے اندر سے آج جو جذبہ جہاد ختم ہوا جا رہا ہے اس کو بھی بیدار کیا جاسکے۔

آج مسلمانوں پر ہر طرف سے جو کفر کی بلینا ہے وہ اسی لیے ہے کہ مسلمان جذبہ جہاد سے ماری ہوئے جا رہے ہیں۔ تن آسانی، بھٹکوشی و نیا پوری اور حب دنیا نے ہمیں مقصد سے بہت دور کر دیا ہے۔ آج اپنے اپنے ملکوں کی حفاظت کے لیے تو دنیا مار رہیں نظر نہیں آتی ہیں لیکن اسلام کی مخالفت اور اس کی اشاعت کے لیے دنیا میں کوئی فوج نظر نہیں آتی۔ گویا ملک اور دنیا کی قیمت مارے نزدیک زیادہ ہو گئی ہے اور آخرت اور دین کی فکر ہم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ آج اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جا رہے ہیں ان کا سختی سے جواب دینے والا کوئی نہیں۔ آج پوری دنیا میں اپنی اپنی حکومت اور اقتدار کا جھگڑا چل رہا ہے سب اپنی اپنی حکومت بچانے کے چکر میں ہیں۔ اسلام پر کیسا ہی حملہ ہو جائے مقامات مقدسہ پر ناز یا حرکتوں کو روک رکھا جائے ان کی بے جرحی کی جائے حتیٰ کہ غصب کر لیا جائے مگر آج کی حکومت جو انہما اسلامی حکومت ہے اس کے لیے کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ آج مسلمانوں پر جو محالہ پوری دنیا میں توڑے جا رہے ہیں کوئی نام نہاد: علای خدمت اس سلسلے میں بھی کچھ کر رہی اور وہ جتنی نظر نہیں آتی بلکہ اگلے دشمنان: عام و مسلمین کی ہی دو

کرتی ہے۔ جیسا کہ ابھی عراق، افغانستان پر بنا جاز اور بے بنیاد امریکی حملے کے وقت دیکھنے کو ملا کہ پاکستان، مسعودیہ اور ایران سب نے یا تو خاموشی اختیار کی یا پھر ظالم ہی کی مدد کی گویا کہ مارنے والوں کا ساتھ دیا نہ کہ مرنے والوں کا۔

آج کتنے مسلمان ہیں جو جانتے ہی نہیں کہ جہاد بھی فرض ہے۔ اسلام کے اس ایک اہم مرکب کی ادائیگی تو دور کی بات ہے اس کے مسائل تک بھی جاننے کے لیے کوئی فکر اور بیداری نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جہاد حسب استطاعت ہی فرض ہے اور ہر جگہ بھی فرض نہیں، کبھی فرض میں ہے تو کبھی فرض کفایہ۔ اللہ کے راستے میں شہید ہونا تو سرکارِ عالم کا فرض ہے کہ اس قدر ہندوستان کہ فرماتے ہیں: جانتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں۔ آج یہ جذبہ کہاں ہے؟ آج یہ شوق شہادت کہاں ہے؟

فرض جہاد: الغرض اسلام کی فرض و غایت جہاد سے "اعلاء کلمۃ الحق" ہے پھر صلح والوں سے صلح اور جنگ والوں سے جنگ لیکن معاہدہ اور عقد ذمہ مکمل پاس ضروری ہے۔ عہد شکنی سے اجتناب اور رضائے الٰہی مطیع نظر ہو۔ جن لوگوں نے دنیا کو ہی سب کچھ تصور کر لیا ہے ان کو جہاد کا معنی سمجھنا ناہت مشکل ہے۔ ایسے ہی کفار و شرکین بھی جہاد کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہاں! جہاد کے مفہوم سے آشناء رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی پہلے تو حید کا قائل ہو اور اس بات پر یقین کر لے کہ اس دنیا کا خالق ایک اللہ ہے اور صرف وہی اکیلا عبادت کے لائق ہے۔ اس کی عبادت سے منہ موڑنا دوسرے کسی جھوٹے خدا کی پرستش کرنا سر اسر جہالت ہی نہیں بلکہ کھلی بغاوت ہے اور باغی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔ اس کا رخا نہ عالم اور وسیع و عریض دنیا کا جب کوئی خالق و مالک ہے تو اس کی حکم عدولی کر کے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا "یقیناً بہت بڑا جرم ہے اور ظلم عظیم بھی"۔ ہاں! مگر یہ کہ مجرم اپنے آپ کو گرفتار کرادے پناہ لے لے تو اس کو قصودی دیر کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے اور یہی ہے دنیا میں ان کو چھوڑ دینا رکھنا ورنہ پھر ان کا انجام آخرت میں بہت مہیا ہے۔

حمل چمکارے کے لیے ہی تو دنیا میں بھی تو بے ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے وہ نہ ساتھ جیسا چاہے گا سلوک کرے گا۔ ہاں! اس کا اعلان یہ ضرور ہے کہ ﴿إِن السِّلَہَ لَا یَغْفِرُ مَسْکَ بہ و یَغْفِرُ مَا دُونِ ذَٰلِکَ لِمَن یَشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ شرک کو عاف نہیں فرماتا اور اس کا وہ ناپوں کو جس سے چاہے معاف فرماتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿إِن السِّلَہَ لَا یَغْفِرُ مَا دُونِ ذَٰلِکَ لِمَن یَشَاءُ﴾ عظیماً اللہ تعالیٰ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔



گزشتہ شمارے کے انعامی مقابلے کے جوابات

● مرزا قادیانی کے بیٹے "فضل احمد" نے اپنے باپ کی خود ساختہ نبوت کا انکار کرتے ہوئے اس کے کذب پر مہر ثبت کی۔ ② مرزا قادیانی نے براہین احمدیہ کی پچاس جلدیں لکھ کاہ عدہ کر کے پانچ لکھیں اور بقیہ جلدوں کی ایڈوائس قیمت وصول کرنے کے باوجود یہ نہایت تراشہ کہ پانچ اور پچاس میں "صفر" کا فرق ہے لہذا پانچ کو پچاس پر محمول کیا جائے۔ ③ مرزا قادیانی 26 مئی 1908ء بروز منگل لاہور کے براہنہ تھر روڈ کی ایک ہلڈنگ سے اصل جنم ہوا۔ بوقت کوچ مرزا کو قے آئی اور وہ جال قادیان عارضی بنائی گئی لیٹرین میں اپنی ہی غلاظت پر اوندھے منہ گر پڑا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے آخری درجے میں جا چکا۔ ④ حضرت ہر سید جماعت علی شہ علیہ محدث علی پوری نے مرزا قادیانی کی موت کی پیش گوئی کی تھی۔

● گزشتہ شمارے کا انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب

● محمد وسیم لاہور ● حافظ محمد صدیق لاہور ● محمد عقیل حاصل پور ●

● محمد ریاض بہک ● محمد عابد لاہور ●

دنیا کی ایک عظیم ضرورت جہاد ہے

ڈاکٹر جوہر مہاں جمیع آبادی

مثنوی زندقہ کی عبارت جہاد ہے حقانیت کی شان عبادت جہاد ہے
 ذہنوں میں زندہ رہنے کی نکتہ جہاد ہے دنیا کی ایک عظیم ضرورت جہاد ہے
 دشمن سے انتقام کا فخر نہیں جہاد
 پیغام شافی ہے ستم گر نہیں جہاد
 غفلت میں روشنی کا تقاضا جہاد ہے راہ عمل میں ہوش کا آنا جہاد ہے
 ہر لمحہ حیات سنانا جہاد ہے راہ خدا میں خود کو مٹانا جہاد ہے
 میدان کربلا کی کہانی جہاد ہے
 اللہ کی عطا کی نشانی جہاد ہے
 دل پر گرفت، نفس پہ قابو جہاد ہے آہ رساں، غریب کا آنسو جہاد ہے
 ہر فیصلہ خلوص کا پہلو جہاد ہے سر چڑھ کے بولتا ہوا جہاد جہاد ہے
 دشمن سے انتقام کا جذبہ نہیں جہاد
 ذاتی مفاد کا کوئی چہ چا نہیں جہاد
 سچ بات پر یقین کی فطرت جہاد ہے عزت کے ساتھ مرنے کی ہمت جہاد ہے
 انسانیت کی راز حقیقت جہاد ہے گلزار ہست دبو کی نعت جہاد ہے
 آئینہ حیات کا جوہر جہاد ہے
 حکم خدا، عزم، تدبیر جہاد ہے

مجاہد ختم نبوت ڈاکٹر عامر لیاقت

مسجد وحید نور

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین 5 جولائی 1971ء کو کراچی میں شیخ لیاقت حسین کے گھر پیدا ہوئے۔
 آپ کے نانا سردار علی صابری نے بانی پاکستان محمد علی جناح کو "قائد اعظم" کا لقب دیا۔ "اسلام اور
 امت گردی" کے موضوع پر لکھے جانے والے مقالہ پر عامر لیاقت "ڈاکٹر عامر لیاقت" بن
 گئے۔ ڈاکٹر عامر نے شروع ہی سے فن خطابت کے خوب جوہر رکھے اور جلد ہی اچھے مقرر کے طور پر
 عارف ہوئے۔ آپ "یگ ڈیپریز سوسائٹی" کے بانی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے دہریہوں، ملک کنی
 مقامات پر اپنی شعلہ بیانی کی جھلک دکھاتے ہوئے متحدہ عرب امارات (U.A.E) کے "ریڈیو
 ایشیا" کے ڈائریکٹر اور اردو کے بہترین بیوروکراسٹ مقرر ہوئے۔
 ڈاکٹر عامر لیاقت کو لسانی تنظیم ایم کیو ایم (M.Q.M) سے وابستگی وراثت میں ملی تھی۔ ایم کیو
 ایم نے ان کے فن صحافت پر عبور کو اپنے ترہان "پرچم" میں استعمال کیا۔ بعد میں آپ روزنامہ
 "بنگ" اور اس کی ڈی جیٹل "جیو" سے وابستہ ہو گئے۔ دور پرویز میں M.Q.M کی نکت پر
 NA-249 کھارادر سے M.N.A منتخب ہوئے۔ صدر پرویز کو جب "روشن خیال اسلام" کا شمار
 اٹھ کر ڈاکٹر عامر لیاقت کو روشن خیال مسلمان کے طور پر متعارف کروایا گیا۔ جلد ہی آپ پرویز شرف
 پیادوں بلکہ آنکھ کے تاروں میں شامل ہو گئے اور وزارت مذہبی امور و ذکوہ و عشر آپ کی جھولی
 میں ڈال دی گئی۔

مشراف کے عہد میں شامل ہونے کے بعد ڈاکٹر عامر لیاقت نے بعض باتیں ایسی بھی کہیں
 جو اعلیٰ نہیں کوئی چاہتے تھیں بلکہ کسی بھی مسلمان کو کہنا زیادہ نہیں دیتی تھیں لیکن نشر اقتدار و شہرت کے

آسمان کی چٹائی ہے؟ کچھ عرصہ تاریک دایوں میں بیٹھنے کے بعد اللہ رب العزت نے ڈاکٹر عامر لیاقت کو روشنی کی کرن دکھائی۔ بس پھر کیا تھا ڈاکٹر عامر لیاقت کی کامیابی پلٹ گئی وہ شرف کے روشن خیال اسلام کے پرچار کو چھوڑ کر حقیقی اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ وہ اپنے فی دہی پروگرام "عالم آن لائن" میں جب اسلام کے حقیقی مسائل پر روشنی ڈالنے لگے تو پرویز و الطاف کو ان کی یہ باغیانہ دبا بھل نہ بھائی لیکن چارونا چارائیں برداشت کرنا پڑا۔ سال گزشتہ جب گستاخانہ خاکوں کی اشاعت ہوئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ملعون سلمان رشیدی کو "مسز" کا خطاب ملنے کی خبر آئی تو ڈاکٹر عامر لیاقت نے رشیدی اور اس کے آقاؤں کے خلاف ایک گرامر پر گرامر کو ڈالا۔ الطاف حسین کو ڈاکٹر عامر کی یہ "جسارت" بالکل برداشت نہیں ہوئی چنانچہ انہوں نے حق نمک حلائی ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر عامر لیاقت سے فوراً وزارت سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ ڈاکٹر عامر لیاقت نے "ایک استعفیٰ نہیں بلکہ ہزاروں استعفیٰ آقا ﷺ کی لفظیں پاک پر قربان" کا فقرہ لگا کر دنیاوی وزارت و عہدے سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

رواں برس "7 ستمبر" جویم تحفظ ختم نبوت کے طور پر پورے پاکستان میں منایا گیا۔ ڈاکٹر عامر لیاقت نے بھی اپنے پروگرام کے فارمیٹ کو اسی مناسبت سے ترتیب دیا۔ اپنے پروگرام میں انہوں نے مدعو کیے گئے علماء کرام سے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و نزاکت اور فقہ قادیانیت کی بابت گفتگو کی جسے ہر محبت وطن پاکستانی نے بڑی محبت و گرمجوشی سے پسند کیا۔ تمام پاکستانی اس پروگرام کے شکر کیے جانے پر خوش تھے سوائے محترم الطاف حسین کے۔ الطاف حسین صاحب کو اپنے برطانوی آقاؤں کی ناراضگی کا دکھانے جا رہا تھا چنانچہ انہوں نے پہلی ہی فرصت میں ڈاکٹر عامر لیاقت کو M.Q.M کی رکنیت سے ہی خارج کر دیا۔

M.Q.M سے انزراج ہی ڈاکٹر عامر لیاقت کا حضور پر نور خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں مقام کو ظاہر کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ڈاکٹر عامر لیاقت کا مدارائے اب جانیں، لیکن میں فرمایا

ب۔ اللہم زد فردی، یہی وجہ ہے کہ آقا ﷺ کی عطاؤں کے آگے: اکثر عامر لیاقت کا سر شرم سے جھک گیا ہے اور انہوں نے اپنے سابقہ "تمام گناہوں" سے اعلا نیہ توہ کرتے ہوئے اپنی بقیہ زندگی اللہ رب العزت کے عاجز بندے، خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے اوفی سپاہی اور صحابہ کرام و صحابیہ رضی اللہ عنہم کے عاشق صادق کے طور پر گزارنے کا عہد کیا ہے۔

لکھنؤ، بیجاہ (الضائف) لکھنؤ، بیجاہ



تحفظ ختم نبوت

ذہابان ختم نبوت پاکستان کے زیر اہتمام 7 ستمبر بروز جمعرات جامعہ رسولیہ شیرازہ سرور چٹیل ہک لاہور میں عظیم الشان تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے محرک مجاہد اہل سنت حضرت مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی تھے۔ کانفرنس کی صدارت شیخ الحدیث مفتی گل احمد خان قسطنطنیہ نے کی۔ مقررین میں ذہابان ختم نبوت کے مرکزی امیر شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی ناظم اعلیٰ خطیب پاکستان حضرت مولانا حافظ خان محمد قاری، عظیم المدارس کے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نسیمی اور جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے ناظم اعلیٰ مجاہد اہل سنت حضرت مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی وغیرہ شامل تھے۔ نقابت کے فرائض مولانا محمد علی رضوی نے انجام دیے جبکہ ترانہ ختم نبوت مولانا دین محمد سندھی نے و الہانہ انداز میں پیش کیا۔ رمضان المبارک کی مصروفیات کے باوجود کانفرنس بحیثیت مجموعی ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ اللہ رب العزت نبی کریم خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے فضیل کانفرنس کے انعقاد اور کامیابی میں دامن درم قدم شرف اتمام ان کرنے والے تمام حضرات کو ادین کی سعادتیں عطا فرمائے۔ لکھنؤ، بیجاہ (الضائف) لکھنؤ، بیجاہ

ذمارک... حرامستان

ڈاکٹر عامر ایاق حسین

ڈاکٹر صاحب کا تعارف: ڈاکٹر عامر ایاق صاحب ختم نبوتؐ میں گزر چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا درج ذیل مضمون آیت قرآنی ۱۰۸ مفسر بعد ذلک ذنبم لکھ کر پڑھا جائے تو ذمارک کے گناہ کا فہم اور اس کے مہموز کی حقیقت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

ذمارک بڑا ہی عجیب و غریب ملک ہے۔ یہاں کی 64 فیصد آبادی آج تک اپنے صحیح باپ کا نام معلوم نہیں کر سکی۔ اس ملک کے ایک بادشاہ ”فرید ریگ پنجم“ جنہوں نے 13 مارچ 1723ء سے 13 جنوری 1766ء تک ذمارک اور ناروے پر حکومت کی، پانچ بٹے کئے ناجائز بچوں کے باپ ہونے کی وجہ سے بھی ”پنجم“ کہلاتے ہیں۔ اُن کا ”مقبول ظاہری“ ڈیوک آف برنس دگ لیونرگ البرٹ دوم کی صاحب زادی، جولینا ماریا سے ”واقعا“ نامہ اپنے ملک میں حرام کی افزائش کی لالچ رکھتے ہوئے بادشاہ سلامت خاتون اول کی موجودگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ”ایلیس ہینسن“ نامی خاتون دوم سے بھی ”غنیہ ملاقاتیں“ کرتے رہے۔ اس کے سبب پانچ نسب ظاہر ہو گئے جن سے آج کل حرام کاری کے رواج کو کافی تقویت اور ایسے لاتعداد ناجائز بچوں کی پیدائش کو تاریخی فروغ ملا جس کا سلسلہ آج تک بلا کسی شرم و حیا ذمارک، سوئیڈن، آسٹریا، ناروے، جرمنی، ہالینڈ اور ان جیسے دیگر ممالک میں ”گوری اور سینڈوری“ کے ساتھ جاری ہے جس کے نتیجے میں ”غلیظ گند رود“ اور ”گند و سیرگاز“ جیسے دلدارنا بے لکائی ماؤں سے ”بھڑا بھڑا پیدا ہو کر اپنے بد ذات ہونے کی سندیں لینے اور دیتے پھرتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو مجھے ان جیسوں کی بڑھتی ہوئی پیدائش پر ڈرامائی آگستا خاندان کا مسرورہ و جہاں

ت نہیں کیونکہ ایک باپ سے ہونے کے لیے ایک ماں اور دس بچوں کو بیک وقت پیدا کرنے کے لیے ماؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف ماؤں کی ”باپ کون کون ہیں“ جاننا اور دیکھنا ضروری نہیں۔ یہاں مقابلہ تعداد کا ہے اعداد کا نہیں۔ وعدے کے مطابق اس سبھی تحقیقی دنیا میں ایسے بے دار و شرم ناک واقعات کا ناجائز اولاد کی شکل میں ظہور پذیر ہونا کوئی اچھے کی بات بھی نہیں البتہ اس سے نا آشنا نطفات نا تحقیق جب ہرزہ سرائی، ہڈیاں، مضمحل اور استہزا پر آمیز تو بہتر یہی ہے کہ اقبیس مسل ویا جائے۔ اگر فی الوقت یہ ممکن نہ ہو سکے تو کم از کم انہیں اس کام پر ضرور لگا دینا ہے کہ وہ اپنے اصلی باپ کی تلاش میں اپنی اپنی ماؤں سے ان کی زندگی کے دن اور راتوں میں وقتاً بوقتاً آنے والوں کا حلیہ پوچھ کر فی الفور ایسے خاکے بنائیں جو باپ تک پہنچنے میں اُن کی مدد کر سکیں تاکہ دنیا کو بھی تو پتہ چلے کہ اس قدر غلیظ اور نفیض و نفرت کی رطوبت سے اُن کا بویہ پچھا خرے کس کا؟ گوکہ ذمارک میں ہر ناجائز بچہ ایک لینڈ مارک کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی اس ملک کی کئی ایسی پوشیدہ خصوصیات ہیں جو صرف ان ہی کو معلوم ہیں آپ کو اور مجھے نہیں۔ انہی خصوصیات لی وجہ سے یہ ملک اپنی ایک علیحدہ اور منفرد شناخت رکھتا ہے۔ یہاں کی ساحلی پٹی جو تقریباً 7000 کلو میٹر پر محیط ہے اس کے صرف چند کلو میٹر ”مہذب مقامات“ کو چھوڑ کر بکھرے ہوئے 7000 کلو میٹر کو ڈھانپ کر چلنا مستحب اور فطرت کے تقاضوں کے برخلاف سمجھا جاتا ہے۔ ”خش قوم کی رانٹ“ کے مطابق کیونکہ فطرت بے لباس ہے، اُسے پکڑوں کی حاجت نہیں لہذا فطرت کی سب سے اعلیٰ تخلیق انسان کو پکڑوں کی کیا ضرورت؟ صرف منہ اٹھائے (اس کا مطلب ہے کہ کپڑے اٹھ منہ اٹھائے) اور جہاں جی چاہے ”لباس فطرت“ میں نکل جائے۔ اس پر بالکل غور نہ کیجیے کہ درخت کو پتوں اور شاخوں نے ڈھانپ رکھا ہے، زمین نے گرو اور ٹی اوڈھ رکھی ہے، آسمان نے ماؤں سے حیا کو برقرار رکھا ہے، سمندر اپنے حسن کو لہروں کی تہاگ سے چھپاتا ہے اور پھل پھلکوں لی مدد سے اپنی خوبصورتی کو محفوظ رکھتا ہے۔ آپ صرف ذمارک کے ساحلوں، تفریحی مقامات

مخصوص باغات اور بے شرم کندروں میں دیدہ و دلیری سے تنگ و مضطرب گھومے ممکن ہے کہ یونہی چلتے چلتے ابھی ٹیکسٹل جائیں!

معروف سودی اسکالر ڈاکٹر محمد علی العارفی کا کہنا ہے کہ "انسان اور جانور کے درمیان بڑا اور واضح فرق ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا سکتا ہے اور جانور اس صلاحیت سے قطعاً عاری ہیں۔ اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک مقام پر خود 'مشرش' اور ذلت کی پستی میں دھنسے ہوئے کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں چوپائے سے بھی بدتر قرار دیا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ایسے انسان عبادت دریاخت سے بے نیاز جب جی چاہتا ہے سو جاتے ہیں اور جب من چاہتا ہے اٹھ جاتے ہیں۔ ان کی زندگیوں اور کیف و سرور سے خالی ہیں اور شاید اسی بناء پر ڈنمارک کے یہ چوپائے نما انسان قدرت و فطرت کی حدود و قیود سے بے فکر جب اور جہاں جی چاہتا ہے منہ مار لیتے ہیں۔ زنانہ خواہش چلتی ہے تو زنا کر لیتے ہیں اور جس طرح کے جنسی تعلقات کے خواہاں ہوتے ہیں ویسے ہی قائم کر لیتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ حرام ہیں یا حلال! اخلاق کے دائرے میں ہیں یا بد اخلاق کے حاشیے میں۔ اسی وجہ سے آپ ان کے ہاں ہم جنسی پرستی کے اکیا اور اسے ترقی و عروج کی منزلوں تک لے جانے کے لیے ان میں ایک جنون پائیں گے۔" ۱۔

ان تمام نتیجہ رواجوں سے کہیں آگے ڈنمارک کا حکمہ ثقافت و سیاست یہ بات بڑے فخر سے کہتا ہے کہ "ہمارے ملک میں انسان حقوق کا تو کیا کہنا جانوروں کے معاملے میں بھی اس حد تک آزادی ہے کہ بعض سرکاری وغیر سرکاری ادارے ان نرکتوں کو گھوموں اور سو دن کو تلاش کرتے ہیں جن کی مادہ نہیں ہے یا عمری ہے (بایں بھی کہ آج کل فارغ ہیں) اور پھر رضا کارانہ طور پر ہمارے ملک کی عورتیں ان سے باقاعدہ شادیاں کرتی ہیں اور شادی کے دستاویزات کے مطابق آدھی جائیداد

ایسے گفتگو آپ www.youtube.com/watch?v=5bbkk47cu61 پس سکتے ہیں۔

امی ان کتوں، گدھوں اور سو روں کا قانونی حق قرار پاتی ہے۔ ہمارے نزدیک جانوروں کی تنہائی و ہارنے کا اس سے بہتر طریقہ پوری دنیا میں کہیں اور رائج نہیں ہے۔ ۱۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جان لیجیے کہ ڈنمارک illegitimate بچے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بچے کی ماں اپنے بوائے فریڈ سے تعلقات کے باعث حاملہ ہوئی تھی۔ ان کی سرکاری دیب بات کے مطابق ہسپتال میں ایسی ماؤں سے ڈاکٹر کا زیادہ سوال و جواب کرنا بھی خلاف قانون ہے۔ ایسے بچے کی رجسٹریشن کرتے ہوئے جب ڈاکٹر ماں سے دریافت کرے کہ "اس بچے کا باپ من ہے؟" اور اگر ماں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرے کہ "مجھے نہیں معلوم" تو ڈاکٹر کو فوراً خاموش ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بچہ بیڑا لیور کرنے والے کسی کمپنی کے ڈائریکٹر کا کلرک یا پھر ایسی ڈرائیور کا بیٹی ہو۔ ایسی صورت میں ولدیت کے خانے میں خاموشی سے "خاندان خراب" لکھنے کے بعد ڈاکٹر کو ایسی ہی کسی دوسری لیڈور کے لیے کمرے سے باہر چلے جانا چاہیے۔ بہر حال آفرین ہے صدر پاکستان پر اور مہارک ہو ہماری وزارت خارجہ کو جو اب تک حرامستان کے سفیر کو پاکستان میں برداشت کر رہے ہیں!!!



انعامی مقابلہ

● قادیانوں کے نام نہاد ہشتی مقبرے کی ان کے نزدیک کیا حقیقت ہے؟ ● قادیانیوں کے رد و سانی باپ نے کس خاتون سے "آسمانی نکاح" کی پیش گوئی کی اور اس کا کیا نتیجہ نکلا؟

نوٹ: درست جوابات دینے والے خوش نصیبوں کو انعام، ہائل لاری۔ جواب نمبر ۱۰۰۰ صرف عمر صرف 0321-4370406

واقف کی جتنی ہو تو صرف Denmark میں جا کر ایسی ویب سائٹس اور میگزینز دیکھ سکتے ہیں جو سرکاری طور پر جانوروں کے شادی رقص کے طور پر قائم ہیں اور ڈنمارک کی گورنر ہاؤس سے اپنے دہلیوں کا انتخاب کرتی ہیں۔

ننگانہ صاحب شیخوپورہ میں قادیانیت گمردی

محمد مالک شہید نبی کریم ﷺ کے اس عاشق صادق کا نام ہے جس نے اپنی جان کی بازی لگا کر ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ کیا۔ محمد مالک شہید کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے قادیانوں سے قتل و غارت کے بجائے ضابطہ و قانون کے تحت نینے کا فیصلہ کیا۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں قانون کے نگہ والوں عموماً پولیس والوں کو مدد کی یہ جرات نہ پڑتی تھی آتی ہے مگر حق تعالیٰ سے رحمت غوری کر کے ان کی پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ مدد مقدمہ ہی والوں سے لے لے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کس کو جس حد تک لٹکا یا اور لٹکا کیا جاسکتا ہے اس سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ محمد مالک شہید کے ساتھ بھی علاقہ کے لوگ اس سچے او (S.H.O) اور اے ایس آئی (A.S.I) نے ایسا ہی کیا۔ ایک طرف قادیانیوں سے پولیس کی ملی بھگت و دست و پائی اور دوسری طرف قادیانیوں کی شہید سے مسلح غزوہ گمردی۔ بالآخر 11 ستمبر کو قادیانی غنڈوں نے محمد مالک کو اندھا صحنہ قاتل کر کے شہید کر دیا۔ محمد مالک شہید کو اس راسخ و فاضل باپ کی بازی لگا کر سرخرو ہو گیا اب ہمارے پچھندہ مداریان باندھ ہوتی ہیں ● شہید کے کپس کی پرنور پھیری ● قادیانی غنڈوں کو بدست گمردی ایکٹ کے تحت قتل و اغوا قریبی سزا ● قادیانیوں کے ہتھیار پولیس والوں کو سپر وکھارے کرنا ● محمد مالک شہید کے انتقال کی برکت طریقے سے سب پر حجاب و حرمت و دواوری۔

یوں تو قادیانی جماعت کی مسلمانوں کے خلاف بت نئی سازشوں و بدست گمردی اور قتل و غارت گمردی سے تاریخ بھری پڑی ہے اور قادیان سے لے کر ربوہ (چناب نگر) تک قادیانیوں نے متعدد مرتبہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور ہر اُس مسلمان کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جو ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل ہوا۔ ایسی ہی صورت حال چند روز قبل ننگانہ صاحب کے قریب تھانہ صدر کے علاقہ میں چک نمبر 4 گ ب (بھگوان پورہ) میں پیش آئی جہاں آتشیں اسلحہ سے لیس قادیانیوں نے ایک بائیس سالہ نوجوان ”محمد مالک“ کو شہید کر دیا۔

ضلع ننگانہ صاحب (جو پہلے ضلع شیخوپورہ کا حصہ تھا) میں قادیانوں کی بڑی تعداد پھیلی ہوئی ہے

و خلیہ بھانوں سے سادہ لوح اور غریب مسلمانوں کو دام فریب میں لانے کے لیے اپنی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اس وجہ سے وہاں نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں تحفظ ختم نبوت کا شعور پیدا ہوا ہے۔ ہر حال قادیانی بھی ہمیشہ کی طرح اس صورتحال سے پریشان ہونے لگے اور طرح طرح کے نڈے استعمال کرنے لگے۔ چند ماہ پیشتر شان رسالت و ختم نبوت ﷺ کے سلسلہ میں وہاں کے لوگ نے دیواروں پر اشتہارات چسپاں کیے اور آنحضرت مہلانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض فتوے بھی شائع کیے۔ اس صورتحال سے سرمرانی غنڈہ گمردی پر اتر آئے۔ ڈاکٹر اصغر اور اس کے دو بیٹوں سمیت دیگر قادیانیوں نے اسلحہ سے مسلح ہو کر عقیدہ ختم نبوت سے متعلق اشتہارات اتار کر پھاڑے۔ شاعر اسلامی سے متعلق غلط زبان استعمال کی اور کہا کہ مرزا غلام قادیانی ”آخری نبی“ ہے اور مرزا غلام قادیانی کے بعد عقیدہ ختم نبوت کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کی اور مسلمانوں کو گالیاں دیں اور دھمکی دی کہ اب اگر کسی نے ایسے اشتہارات پھانگے یا ایسے نظریات کی ترویج کی تو اسے جان سے مار دیں گے۔

اس ساری صورتحال پر مسلمانوں نے قانون ہاتھ میں لینے کی بجائے قانونی اور پرامن راستہ اختیار کیا۔ نوجوان عابد تحفظ ختم نبوت ”محمد مالک“ نے اس صورتحال کی بابت تھانہ صدر میں زیر دفعہ 295-سی 11 جون 2008ء کو رپورٹ درج کر دئی جس کی ایف آئی آر (F.I.R) نمبر 351/08 ہے۔ محمد مالک (شہید) نے درج شدہ ایف آئی آر کی روشنی میں مقدمہ کی پیروی شروع کر دی اور اس دوران قادیانی سرعام قتل کی دھمکیاں دینے لگے اور ڈرانے کا ہر حربہ استعمال کیا جانے لگا۔ نشہ عشق محمد ﷺ سے سرشار شہید محمد مالک اپنی حقیقی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے انتقامت کا پہاڑ نہ گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ قانونی اور عدالتی جگہ کے راستہ سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹے گا۔

ذکورہ ایف آئی آر کی روشنی میں پولیس قادیانی ٹران کو گرفتار کرنے سے گریز کرتی رہی۔ محمد

مالک اور اس کے ساتھی پولیس کے ذمہ داران سے بار بار کہتے رہے کہ تفتیش مکمل کی جائے اور ملزمان کا چالان کر کے انہیں جیل بھیجا جائے۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ متعلقہ تھانے کے ذمہ داروں نے قادیانیوں کے ذریعہ 295-سی کے اس اہم مقدمے کو خراب کیا اور سراسر غیر قانونی طور پر تفتیش کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ مقدمہ کا عدلی بار بار کہتا رہا کہ قادیانی تھکے قتل کرانے کی سازش تیار چکے ہیں۔ مرحوم مدعی نے ڈی پی او کے سامنے براہ راست تین مرتبہ پیش ہو کر واضح کیا کہ آپ کا ایس ایچ او قادیانیوں کے ذریعے مجھے قتل کرانا چاہتا ہے۔ اگر میں قتل ہو گیا تو میرے قاتل قادیانی ہوں گے اور اس کے تمام ذمہ داری پولیس پر ہوگی جو مکمل حکام قادیانیوں کے تمام جرائم کی مکمل پشت پناہی کر رہی ہے۔ افسوس کہ اعلیٰ دادنی پولیس افسران تک تمام احوال پہنچنے کے باوجود کوئی شنوائی نہ ہوئی اور پولیس قادیانی ملزمان کی ملی جھلت سے تفتیش کو لٹکا کر رہی۔ تین قادیانی ملزمان کو بے گناہ قرار دے دیا گیا جس پر قادیانی ملزمان کے وکیل نے درخواست ضمانت واپس لے لی۔ اس دوران ملزمان شہید مدعی کو مسلسل خطرناک نتائج اور قتل کی دھمکیاں دیتے رہے۔ محمد مالک نے اپنی شہادت سے قتل قانونی چارہ جوئی کے لیے بیان طغی تحریر کرائے جو کہ عدالت میں دینا چاہتے تھے۔

11 ستمبر 2008ء بروز جمعرات رات 11 بجے جب اس مقدمے کے مدعی محمد مالک اپنے بھائی خالد محمود کے ہمراہ گاؤں کی مسجد میں نماز تراتوح کی ادا کی گئی کے بعد گھر واپس جا رہے تھے کہ چونکہ قریب ایک دو آگے سے دو بلیغہ غیر پلٹ موٹر سائیکلوں پر چار قادیانی ملزمان (ندیم زانا افتخار راشد اور عشرت شاہ ساکنان دہرہ دوگیر تین ماعلم ملزمان جو بغیر نمبر کی ایک اور موٹر سائیکل پر سوار تھے) نے محمد مالک اور ان کے بھائی خالد محمود کو روکا اور اسلحہ ان کی دھمکی دی کہ آگے بڑھے تو مار دیں گے۔ ایک قادیانی ملزم ندیم نے لگا کر محمد مالک کو ہمارے خلاف پرچہ (C-295) درج کروانے کا مزہ چکھا جس پر عشرت شاہ نے بارہ بور ہندوق سے فائر مارا جو محمد مالک کے چہرے پر لگا اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ پھر ملزم ندیم نے دتی بارہ بور ہندوق سے فائر مارا جو محمد مالک کے چہرے اور گردن

انہیں طرف لگا۔ اس کے بعد قادیانی ملزمان لٹکارتے ہوئے چائے دودھ سے فرار ہو گئے۔ شہید محمد مالک کے والد محمد یونس نے مذکورہ واقعہ کی ایف آئی آر تھانہ صدر ننگاہ صاحب درج ای۔ ایف آئی آر نمبر 618/08 (بجزم 302-149-148) جو 11 ستمبر کو ہی درج ہوئی کے مطابق ایف آئی آر کے مدعی الدھرم یونس کے والد محمد یونس نے پولیس کو رپورٹ کی کہ میرے بیٹے محمد مالک نے قادیانی ملزمان کے خلاف توبین رسالت علیہ السلام کے تحت (C-295) کا مقدمہ درج کروایا تھا۔ اس کی بنا پر تمام ملزمان نے باہم مشورہ کر کے میرے بیٹے محمد مالک کو قتل کیا۔ میرے ساتھ زبانی دہلی ہے لہذا مجھے انصاف دلایا جائے۔ اس واقعہ کی اطلاع پورے علاقے اور فیصل آباد میں بھی پھیل گئی اور پولیس مارشل کے بعد لاش دھو کر حوالے کر دی گئی۔ 12 ستمبر بروز جمعہ المبارک کو شام 4 بجے نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں علاقہ بھر سے تمام مکاتبت فکر کے لوگوں نے بھر پور شرکت کی۔ اس دوران نامزد قادیانی ملزمان اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ملک سلیم اعوان (جو ننگاہ صاحب کے مقامی صحافی ہیں ساری صورتحال پر نظر رکھتے ہوئے ہیں) نے بتایا کہ دراصل اس سانحہ کا پس منظر مدعی شہید کی طرف سے قادیانی ملزمان کے خلاف 295 سی کا مقدمہ ہی تھا۔ اس کی اصل ذمہ داری پولیس کی تھی کہ وہ اپنی غیر جانبداری کو یقینی بناتی جبکہ پولیس مسلسل مکمل جانبداری کا مظاہرہ کرتی رہی۔ پولیس نے اس مقدمہ میں ایک قادیانی ملزم ڈاکٹر امرو کو گرفتار کر لیا تھا جبکہ باقی ملزمان عبوری ضمانتیں کروا کر اسل تفتیش ہو گئے۔ ڈی پی او ننگاہ اکبر ہ سرخاں نے کیس کی اہمیت و نوعیت کے پیش نظر تین روکی تفتیشی ٹیم تشکیل دی جس میں ڈی ایس پی اکبر اقبال شاہ، ایس ایچ او تھانہ صدر سید رضا کا حسین شاہ اور ایس آئی رانا منور شامل تھے۔ اس تفتیشی ٹیم نے عین ماہ تک اس کیس کی انکوائری کی۔ اس دوران تقریباً چھ دھندوں یا ٹیٹوں کو بلایا گیا جن میں سے تینوں افراد نے اپنے اپنے موقف کی تائید کی تاہم تفتیشی ٹیم تین ماہ تک یہ طے ہی نہ کر لی کہ ملزمان گناہ گار ہیں یا نہیں۔

قادریات نوازی

گالچلر اعجاز احمد

گستاخان رسول مرزا نیوں / قادریات نیوں کی ہوائی و دنیا و آخرت میں گمانے کا سودا ہے۔ ذیل میں دواے ارادہ کا ذکر ہے جن کو دنیا میں گستاخان رسول کی ہوائی پکھیل ملا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے پیدا کی اور اپنے حبیب ﷺ کو انسانوں کے دلوں میں بھی درجہ جودیت عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آقاؐ کے نامہ ﷺ کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات و حیوانات بھی آپ ﷺ کی دام الفت کے اسیر ہیں۔ مگر برود میں سکھایے بد نصیب افراد بھی منظر پر آتے رہے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے آفتاب نبوت کے سامنے اپنا چراغ جلانے کی ناپاک جسارت کی اور ہمیشہ ہمیش کے لیے ملعون قرار پائے۔ انہی میں سے ایک وہ جال قادیان (مرزا قادیانی) بھی تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور ﷺ کے مقابلے میں دعویٰ نبوت کرنے والوں کے ساتھ ساتھ وہ نام نہاد سلمان بھی نشانِ عبرت بنے جنہوں نے کسی دنیوی منفعت کے لیے قادیانیت نوازی کی۔ زیرِ نظر توہمیں دیکھیں ہی افراد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے مگر قادیانیت نوازی کا راز ہو کر مقامِ عبرت بن گئے۔

سکندر مرزا

سکندر مرزا پاکستان میں گورنر جنرل اور پھر صدر پاکستان کے عہدے تک پہنچا۔ تین برس شان و شکست سے اس نے حکومت کی اور یکے بعد دیگرے پانچ وزیرِ اعظم ہنگامے۔ کئی برس تک ملک کے چاہ و سفید کا مالک رہا۔ تحریکِ ختمِ نبوت 1953ء کے وقت وہ ملک کا سیکرٹری دفاع تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا

کہ مان لی دوریِ صفات کی ساعت تھی۔ تفتیشِ افسر کی عدم دلچسپی کی انتہا یہ ہے کہ نہ لی اہم نوعیت کی وجہ سے کئی بار تفتیشی افسر کو طلب کیا کہ تفتیش مکمل کریں لیکن 10 جب لوہی رانا منور پیش نہ ہوا۔ حد یہ ہے کہ وہ ریکارڈ ایک حوالدار کو دے کر چلا گیا کہ وہ عدالت کو دے۔ ساعت کے لیے بلایا گیا تو ملزمان کے دکیل نے ضمانتیں واپس لے لیں جب کہ پولیس ریکارڈ میں پولیس نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ مدعی مقدمہ شہید (جو اس گھمبیر صورتحال کی وجہ سے اندوہناک حاشے کا شکار ہوا) نے ملزمان کو گرفتار کروانے کی کوشش کی لیکن تھا نہ صدر زندہ صاحب کے کسی اہل کار کی (دانش) عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ملزمان عدالت سے فرار ہو گئے۔



ہو گئے برص جہاں میں خوار ہم
ہم نہ رہے ہیں یا بھلے جیسے بھی ہیں
کشتی ملت سمندر میں بھنس گئی
اب تو قسمت میں اندھیرے رہ گئے
لے گئے کردار کی دولتِ عدو
عاصی و خاالی سہی لیکن حضور
اب نہ خالی ہاتھ لوٹیں یابی!



کہا کہ فوری طور پر مجلس عمل کے مطالبات تسلیم کیے جائیں ورنہ نہ لاہور تباہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر وفاقی کابینہ کے اجلاس میں خاموشی چھا گئی اور کسی وزیر نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ پھر سکندر مرزا نے وزیر اعظم سے اہم کام پر جانے کی اجازت مانگی۔ بقول سکندر مرزا فوراً ملٹری اٹیلی جس کے دفتر ہا کر لاہور سے کسی اور سبھر جنرل اعظم خان کو مارشل لا لگانے کا حکم دیا اور تمام ذمہ داری خود قبول کر لی اور پھر کابینہ کے اجلاس میں واپس آکر اپنے اقدام کا اعلان کر دیا۔ یہ 6 مارچ 1953ء کا دن تھا۔ لاہور مارشل لا لگانے والے فرائض ختم نبوت سے جو سلوک کیا وہ ہماری تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک اذان دینے پر کئی مسلمان شہید ہوئے۔ اسی سال سے لے کر چار سالہ معصوم بچوں نے جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ شہداء ختم نبوت کی نعشوں کو بیوہ کشتی کے فکروں میں ڈال کر پھینک دیا گیا۔ سبھر جنرل اعظم خان نے تاریہ تار بیچنا شروع کیے کہ اتنی تعداد میں ملاؤں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس پر ایک دن وزیر اعظم نے سیکریٹری دفاع سکندر مرزا کو طلب کر کے کہا کہ مجھے تو رات کو نیند ہی نہیں آتی۔ سکندر مرزا نے فوراً جنرل اعظم خان کو فون کیا اور اس سے کہا کہ اگر تمہیں ان ملاؤں کو گولیاں ہی ماری ہیں تو تم ان کی تقسیم کیوں کر رہے ہو؟ جنرل اعظم نے پوچھا کہ میں انہیں اور کیاں کہوں؟ اس پر سکندر مرزا نے جواب دیا کہ یوں کہو کہ اتنے بدعاشوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جنرل اعظم اسی فارم لے کر عمل پیرار ہا۔ شوش کا شہری کے بقول سکندر مرزا کا یہ کہنا تھا کہ یہ کابینہ کی غلطی ہے کہ اس نے ان ملاؤں (قائدین) کو پھانسی نہیں دی۔ اگر پندرہ میں علماء کو مار کر پھینچ دیا جاتا تو کابینہ سے اڑا دیا جاتا تو اس قسم کے جمہیلوں سے ہمیشہ کے لیے نجات ہو جاتی۔ جس صبح دولتہ نہ حکومت برخاست کی گئی اس رات کو رنٹ ہاؤس لاہور میں سکندر مرزا کا ایک ہی بول تھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ لالہ جگہ ہنگامہ فرو ہو گیا یا لالہ جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں کتنی لاشیں پھینچی ہیں اور کوئی گولی بے کار تو نہیں

لاہور سکندر مرزا ایک صدر کا عروج و زوال

جب قادیانی نواز اتحاد پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کے لیے سرحد کی بازی لگا رہے تھے۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کی ہدایت دینا بھر کے پاکستانی سفارت خانے قادیانی تحریک کا مرکز بن چکے تھے۔ ان حالات میں علماء کرام نے کل جماعتی مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تھکیل دی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ عوامی سطح پر تحریک جاری تھی کہ سیکریٹری دفاع سکندر مرزا نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو ایک خط میں لکھا کہ ”ہمارے ذاتی دشمنوں نے جن میں مثلاً بھی شامل ہیں جو مشکلات پیدا کی ہیں اگر ان مشکلات کو ابھی اور سختی سے منٹانے کے لیے کچھ نہ کیا گیا تو ملک اور ملکی انتظامیہ تباہ ہو کر رہ جائے گی“۔ اس خط میں اس نے یہ بھی لکھا کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ کی عرب ممالک میں بڑی قدر ہے مگر یہاں کراچی میں اس کے خلاف گندی زبان استعمال کی جا رہی ہے اس کی تصاویر پر بھی تھوکا جا رہا ہے۔ گندے دالے جسم کے اس کے کارٹون بنائے جا رہے ہیں۔ ایسی باتوں سے عالمی ہر ادبی میں پاکستان کی کیا عزت رہ جائے گی؟ اپنے خط کے آخر میں سکندر مرزا نے مارشل لا کے نفاذ کی طرف واضح اشارہ کیا اور اسے ہمت دلائی کہ وہ جاہلین ختم نبوت کے خلاف فیصلہ کن کردار ادا کرے۔ لاہور سکندر مرزا کے اس خط کا وزیر اعظم پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے اس خط پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اس دوران کل جماعتی مجلس عمل کا وفد 22 فروری 1953ء کو وزیر اعظم سے ملا تو وزیر اعظم نے ددوٹ جواب دے دیا۔ اس پر اکابر کل جماعتی مجلس عمل نے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔ وفاقی کابینہ کا اہم اجلاس کراچی میں 27 فروری 1953ء کو ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ کل جماعتی مجلس عمل کا ایلی میٹ مسٹر کر دیا جائے اور قائدین تحریک ختم نبوت کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس فیصلے پر فوری عمل درآمد کیا گیا مگر لاہور کے حالات حکومت کے قابو سے نکل گئے پھر وفاقی کابینہ کا اجلاس ہوا۔ اس دوران گورنر پنجاب چندر سنگھ نے فون کر کے بتایا کہ وزیر اعلیٰ متاثرہ دولتہ اند کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ وزیر اعلیٰ

لاہور سکندر مرزا ایک صدر کا عروج و زوال

ل

ہر عروج کو زوال ہے۔ سکندر مرزا جس نے ہزاروں مجاہدین ختم نبوت کو تیغ کیا تھا وہ گورنر جنرل صدر ہناور بالا خرابہ خان کے ہاتھوں زوال پذیر ہوا۔ 127 ستمبر 1958ء کو تین ایوبی جرنیلوں جنرل اعظم خان، جنرل برکی اور جنرل شیخ نے آدھی رات کے وقت صدر سکندر مرزا کو چاکر اس سے اسلحے کی نوک پر استعفیٰ لیا۔ جرنیلوں نے شیخ گنیں اور پتول تان رکھے تھے۔ سکندر مرزا کو شب خوابی کے لباس میں ہی گرفتار کیا گیا اور فوراً کونین منتقل کیا گیا۔

کونین میں سکندر مرزا کو ایک چھوٹے سے کمرے میں رکھا گیا جس کے ہر طرف مسلح فوجی متعین تھے۔ وہ سکندر مرزا کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے دور نہیں ہونے دیتے حتیٰ کہ جب وہ غسل خانے میں جاتا تو بھی اس کی خست گرائی کی جاتی۔ جس کمرے میں اسے رکھا گیا تھا اس میں چوبیس گھنٹے تیز روشنی کے باعث وہ سو بھی نہ سکتا تھا۔ تین دن تک سکندر مرزا کو طعم نہ تھا کہ وہ زندہ رہے گا یا اسے قتل کر دیا جائے گا پھر اسے کراچی منتقل کیا گیا۔ چار گھنٹے مازی پور کے ہوائی اڈے اور پھر سات گھنٹے کراچی کے ہوائی اڈے پر سکندر مرزا کو انتظار کی اذیت میں جتلا رکھا گیا۔ اس دوران ہوائی اڈے کے ارہر و ایک بتائیں فوج تعینات تھی۔ پولیس اور خفیہ والے ان کے علاوہ تھے۔ جب طیارہ پرواز کر گیا اور جلدی واپس ایئر پورٹ پر اتر گیا تو اس پر ہیٹم سکندر مرزا سخت پریشان ہو گئیں۔ انہیں یقین دلا گیا کہ طیارے کو میکانیکی نقص کے باعث واپس لایا گیا ہے۔ جلا وطنی سے قبل ان کے روپے پیسے، قیمتی اشیاء و اوقاف کاغذات اور ڈائریاں سب کچھ چین لیا گیا۔

سکندر مرزا لندن جلا وطن کر دیا گیا اور وہ سواری کے لیے گاڑی رکھنے کے قابل بھی نہ رہا۔ اس کی آمدن گھر لکھو اخراجات سے کم تھی۔ وہ بسوں میں سفر کرتا اور سودا سلف لانے خود جاتا۔ گھر کا کھانا اس کی اہلیہ کو خود پکانا پڑتا۔ اس کی دو پوششوں میں سے ایک پیش بھی حکومت نے ضبط کر لی۔ جب سکندر نے تحریک ختم نبوت

الغلب

میں ایتار پر اتوار کے لیے رقم پتہ لکھی پھر شاہ ایران نے اس کا علاج کر دیا۔ 1966ء میں سکندر مرزا بدہ دل کا دورہ پڑا۔ پھر پہلی بیوی 1967ء میں امریکہ میں انتقال کر گئی۔ اس کو کراچی میں لایا گیا مگر سکندر مرزا حکومتی پابندی کی وجہ سے پاکستان نہ آ سکا۔ پاکستان سے لندن جانے والے ان خاندان میں سکندر مرزا کو اچھوت سمجھ کر ملنے سے گریز کرتے کہ کہیں صدر ایوب ناراض نہ ہو جائے۔ غرض اسی طرح 10 برس کا طویل عرصہ گزارا۔

25 مارچ 1969ء کو صدر ایوب کی جگہ یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالا تو سکندر مرزا کے دل میں وطن واپس آنے کی خواہش پھر جاگ اٹھی۔ وہ وطن واپس آ کر اپنے بچوں، ان کی اولاد اور دوستوں ملنے کا شدید خواہش مند تھا۔ اس نے صدر یحییٰ کے براہ راست رابطہ کیا اور سکندر مرزا کی بیٹی نے بھی اسی طرح کی کوششیں کیں مگر سب بے سود ثابت ہوئیں۔ پھر یحییٰ خان کی ایک رشتہ دار کے بیٹے اپنی شہناز صدر یحییٰ خان تک پہنچائی۔ اس خاتون نے اطلاع دی کہ صدر یحییٰ اجازت دے گا۔ اس پر سکندر مرزا کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اس نے وطن واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

اس دوران سکندر مرزا کی بیٹی نے صدر یحییٰ خان کو حسرت بھرا خط لکھا جس میں اپنے والد کی کمی، کمزوری اور بڑھاپے کا تذکرہ کیا اور التجا کی کہ اسے وطن واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ تاہم وہ آخری ایام اپنی اولاد کے ساتھ گزار سکے۔ 23 اگست 1969ء کو ایوان صدر سے ریٹائر ہو کر رہیم خان نے سکندر مرزا کی بیٹی کے نام خط لکھا کہ موجودہ حالات میں سکندر مرزا اپنی وطن واپسی کے لیے ملتوی کر دیں۔ اس ناکامی کے بعد سکندر مرزا نے صدر یحییٰ خان کے نام خود خط لکھا کہ وہ جو اب صدر کے صنف آفیسر جنرل بیروزادہ نے دیا اور اس میں واضح طور پر پاکستان آنے کی بات نہیں دی گئی تھی اب سکندر مرزا بالکل مایوس ہو گئے پھر اس نے اپنی بیٹی کو 24 ستمبر 1969ء کو لکھا کہ مجھے پاکستان آنے کی اجازت نہیں ملی اس لیے اگلی گرمیوں میں آپ لوگ میری طرف ماسی۔ بد نصیب سکندر مرزا کی یہ خواہش بھی قدرت نے پوری نہ ہونے دی اور گرمیاں آنے سے

قبل ہی 13 نومبر 1969ء کو وہ لندن میں جلا وطنی کے عالم میں مر گیا۔ آخر میں اس کے پاس صرف اس کی دوسری بیگم تھی۔ شاہ ایران نے ایمان لے جا کر تہران کے "رے" قبرستان میں سکندر مرزا کو دفن کر دیا مگر 9 فروری 1979ء کو شاہ مخالف عینی انقلاب میں سکندر مرزا کی قبر مسمار کر دی گئی اور ہڈیاں نکل کر دریا میں پھینک دی گئیں۔ قدرت کا عجیب انتقام ہے کہ شہدائے ختم نبوت کی قبور آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہیں جبکہ سکندر مرزا کو دنیا میں بھی کہیں قبر نہیں ملی۔

دیشازن جٹ جسٹس مشتاق حسین

18 مارچ 1978ء کو جسٹس مشتاق نے ذوالفقار علی بھٹو کی جانی کا فیصلہ کیا۔ اس لیے ان کے دل و دماغ پر یہ خوف سوار تھا کہ اگر ہینڈلز پارٹی برسرِ اقتدار آگئی تو مجھے نہیں چھوڑے گی۔ چنانچہ جرنل ضیاالحق کے مارشل لا کے بعد جب جسٹس مشتاق لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور پھر چیف ایکشن سکنسز تھے تو انہوں نے یہ سوچا کہ اگر میں عالمی عدالت انصاف کا جج بن جاؤں تو پانچوں انگلیاں تنگی میں اور سرکڑائی میں ہوگا۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ ظفر اللہ قادیانی کو بطور میز می استعمال کرنا چاہتے تھے۔

جسٹس مشتاق نے قادیانی رہنما مرزا ناصر احمد سے خفیہ ملاقات کی۔ اس ملاقات میں خفیہ معاہدہ طے پایا کہ وہ قادیانہ کے حلف نامے کی ختم نبوت پر مشتمل عبارت میں ایسے الفاظ کی تبدیلی کی جائے کہ قادیانی اسے پڑ کر مسلمانوں میں دویت درج کروا سکے۔ اس قادیانیت نوازی کے شر کے طور پر قادیانی رہنما مرزا ناصر احمد "مظفر اللہ قادیانی کو کہہ کر جسٹس مشتاق کو عالمی عدالت انصاف میں جج لگوا دیے۔ چنانچہ جسٹس مشتاق نے وہ قادیانہ کے حلف نامہ کی عبارت میں نہ صرف تبدیلی کی بلکہ تبدیل شدہ حلف نامہ والے طریق بھی کرانے شروع کر دیے۔ (مرزا ناصر "مظفر اللہ اور جسٹس مشتاق کی اس شیطانی کارستانی کو اکابرین و علمائے دین اہلسنت کی انتھک محنت نے شرمناک شکست

سے ہمتا کر لیا۔)

یہ خرمستیاں اس دور کی تھیں جب جسٹس مشتاق ظاہری شان و شوکت کا مالک تھا۔ پھر حالات کا حمار ہار دلا اور 25 مارچ 1981ء کو جب جرنل ضیاالحق نے عبوری آئین (P.C.O) کے تحت ان سے حلف لیا تو جسٹس مشتاق کو سر سے بلایا ہی نہیں گیا۔ چنانچہ وہ جبری ریٹائرڈ ہو کر گھر چلا گیا۔ پھر 25 ستمبر 1981ء کو لاہور میں اس کی کار پر حملہ کیا گیا۔ اس قاتلانہ حملے میں وہ جج گیا مگر شہ "ٹانگ" کو لے کر اور کمر پر دم آئے۔ کئی ماہ ہسپتال میں گزار کر وہ گھر آیا تو بہر وقت پولیس کے سے میں رہنے لگا۔ گھر سے نکلتا دشوار ہو گیا "زندگی بوجھ بن گئی۔ بالآخر فالج کا حملہ ہوا اور طویل مدتی کے بعد شہزید ہسپتال میں انتقال کر گیا۔

31 مارچ 1989ء کو جسٹس مشتاق کی ڈیڑ باڈی کو اس کی رہائش گاہ 55 بی ماڈل ٹاؤن لاہور سے الٹا کر نواز شریف پارک لایا گیا۔ ابھی لوگ غصے سیڑھی کر رہے تھے کہ ایک شہد کی مکھیوں نے ہمارا کر دی۔ اتفاقاً جنازہ اس درخت کے نیچے رکھا گیا تھا جہاں شہد کی مکھیوں کے جھنڈ (36) بوے سے جھتے موجود تھے۔ مکھیوں کا حملہ اتنا شدید تھا کہ لوگ اپنے بچے بچے جوتے پہن چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شہد کی مکھیوں کے کاٹنے سے تین افراد جاں بحق اور پانچ سوزشی ہو گئے۔ لوگوں نے اپنی گانڈیوں سے حاصل کیڑوں کا کر جلائے تاکہ دھوئیں سے مکھیوں کو بھاگایا جاسکے۔ لوگوں کے بھاگنے سے جنازہ ہمارہ شہد کی مکھیوں نے کفن پر بھی ڈنگ مارے (کیونکہ شہد کی مکھیوں سفید کپڑے پر زیادہ حملہ آور ہوتی ہیں۔) پھر پولیس کے چار ملازمین آئے جنہوں نے پلاسٹک کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ وہاں سے اٹھا کر دوسرے پارک میں پہنچایا مگر شہد کی مکھیوں نے وہاں بھی چھپنا نہ چھوڑا۔ ٹائز اور کپڑے اس سے پارک میں "شرشان بھوی" کا منظر پیدا ہو گیا۔ سفر آخرت کے پہلے ہی مرحلے میں پہلے ہی روز لوگوں نے مکھیوں کے ڈنگوں کا زہر بھی چکھا اور آگ کا لاؤ بھی دیکھا۔ واقعی قادیانیت نوازی کا یہی انجام ہوتا ہے۔



آصف علی زرداری

وسعت اللہ خان

وسعت اللہ خان معروف برطانوی شہرانی ادارے بی بی سی اردو کے کالم نگار ہیں۔ ذیل میں مصوف نے منتخب پاکستانی صدر کا دلچسپ تجزیہ میں تعارف کر دیا ہے۔ بی بی سی اردو ڈاٹ کام کے شکر یہ کے ساتھ تعارف حاضر خدمت ہے۔

آصف علی زرداری ایک بلوچ سنگمی سیاستدان اور ذوالفقار علی بھٹو کے ابتدائی سیاسی ساتھیوں میں شامل حاکم علی زرداری کے بیٹے ہیں۔ حاکم علی زرداری بعد میں پیش عوامی پارٹی (N.A.P) میں شامل ہو گئے تھے۔

آصف زرداری جولائی 1956ء کے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا اندرون سندھ زمیندار کے ساتھ کراچی میں بھی کاروبار سیتنا گھر تھا۔ آصف علی زرداری کی ابتدائی تعلیم بھی ایل کے ایڈوائی "محمد خان جوینجو شکوت عزیز اور پرویز مشرف کی طرح سینٹ پیٹرکس سکول کراچی میں ہوئی جس کے بعد انہوں نے واوہ میں قائم کیٹ کالج ٹارو سے 1974ء میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں انہوں نے لندن سکول آف آکنامکس اینڈ بزنس نامی کسی ادارے میں بھی داخلہ لیا تھا۔ آصف علی زرداری اوائل عمر سے ہی یاروں کے یارناپ شخص کے طور پر کراچی کے متحول حلقوں میں جانے جاتے تھے۔ 1968ء کے میں شوقین مزاج کسمن آصف نے فلسفہ تہذیبی اردو فلم "منزل دور نہیں" میں چائلڈ سٹار کے طور پر اداکاری بھی کی۔

آصف زرداری پولو اور گھڑ سواری کے شوقین ہیں اور ان کی پولو ٹیم "زرداری فور" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ آصف زرداری کے اس زمانے کے ایک ساتھی کے بقول آصف ایک دل والا شخص

بقول اس کے ایک مرتبہ کراچی کے مصفاقات میں ہم لوگ ہارس رائیڈنگ کر رہے تھے کہ ہمارے آپ میں شامل ایک جرمن سفارتکار کی بیٹی کا گھوڑا دلدل میں پھنس گیا۔ اس صورتحال میں کوئی نہیں بڑھائیں آصف دلدل میں اتر گیا اور پہلے لڑکی کو بچایا پھر گھوڑے کو نکالا۔ اس زمانے میں ماخذ زرداری آصف اپنے پرائیویٹ ڈسکوٹیک کے سبب بھی خوب جانا جاتا تھا۔

سیاست سے آصف علی زرداری کا 1980ء کے وسط تک دور درو رکنک واسطہ نہیں تھا۔ بس پھر اس پر ملتا ہے کہ انیس سو پچاسی کے غیر جماعتی انتخابات میں آصف علی زرداری نے بھی نواب آباد میں سو بائیس کی ایک نشست سے کانڈاٹ ماخذ کی جمع کرائے تھے مگر یہ کانڈاٹ واپس لے گئے۔ اسی زمانے میں آصف علی زرداری نے وزیر اعلیٰ غوث علی شاہ کے ایک وزیر سید کوئل شاہ کے مشورے سے کنسٹرکشن کے کاروبار میں بھی ہاتھ ڈالا لیکن اس شعبے میں آصف زرداری صرف دو سالیں برس ہی متحرک رہے۔

1987ء کے آصف زرداری کے لیے سب سے فیصلہ کن سال تھا جب ان کی سوتیلی والدہ ٹٹی لائی، بی بی بیگم نصرت بھٹو نے بے نظیر بھٹو کے ساتھ آصف کا رشتہ طے کیا۔ 18 دسمبر 1987ء کے کو نے والی یہ شادی کراچی کی یادگار تقریبات میں شمار ہوتی ہے۔ جس کا استقبالیہ امیر ترین علاقے "علی" کے ساتھ ساتھ غریب ترین علاقے کیلاری کے گری گراؤٹ میں بھی منعقد ہوا اور امراء کے شانہ بشانہ ہزاروں عام لوگوں نے بھی شرکت کی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پچاسی کے بعد بے نظیر بھٹو اور ان کے اکلوس سیاسی پرستاروں کے لیے یہ پہلی بڑی خوشی تھی۔

1988ء کے میں جب بے نظیر بھٹو برسر اقتدار آئیں تو آصف زرداری بھی وزیر اعظم ہاؤس میں منتقل ہو گئے اور ان کی سیاسی زندگی باضابطہ طور پر شروع ہو گئی۔ 1990ء کے میں بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد ہونے والے انتخابات میں وہ رکن قومی اسمبلی بنے۔ 1993ء کے میں ان کے وزیر اعظم میرٹھ شیر مزاری کی کابینہ میں وزیر سنبے چھرے بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور میں رکن

قومی اسمبلی اور وزیر ماحولیات دسمبر 1993ء سے 1999ء تک سینٹ کے رکن رہے۔

1990ء سے 2004ء تک کے چودہ برس آصف زرداری کی زندگی کے سب سے ہنگامہ خیز سال ہیں۔ بنظر بھٹو کے پہلے دور میں ان پر کرپشن کے الزامات لگنے شروع ہوئے اور ان پر مسٹرین پرسنٹ (10%) کا خطاب چکانے کی کوشش کی گئی۔ سب سے پہلی 1990ء میں انہیں صدر غلام اسحاق خان کے دور میں ایک برطانوی تاجر مصلحتی بخاری کی ٹانگ پر بم باندھ کر 8 لاکھ ڈالر ہتھیانے کی سازش کے الزام میں حراست میں لیا گیا لیکن انہی غلام اسحاق نے بعد میں آصف زرداری کو رہا کر دیا۔ آؤ بیڑ جزل آف پاکستان کی ایک رپورٹ کے مطابق غلام اسحاق خان نے بنظر بھٹو اور آصف زرداری پر کرپشن کے 19 ریفر بیٹور فائل کیے لیکن ان میں سے کوئی ثابت نہیں ہو سکا۔

5 نومبر 1996ء کو دوسری بنظر حکومت کی برطرفی کے بعد آصف علی زرداری کا نام مرتضیٰ بھٹو کیس میں آیا۔ نواز شریف حکومت کے دوسرے دور میں ان پر سٹیل ملز کے سابق چیئرمین سجاد حسین اور سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج جسٹس نظام احمد کے قتل اور رشیات کی سنگین ملوث ہونے، سوئس کمپنی ایس بی ایس کو لینا، دوئی کی اسے آروائی گولڈ کمپنی سے سونے کی درآمد، پہلی کاپروں کی خریداری، لپٹس ٹیکسٹس کی خریداری، فرانسیسی میراج طیاروں کی ڈیل میں کمیشن لینے، برطانیہ میں راک و سوڈٹ خریدنے، سوئس بینکوں کے ذریعے منی لائڈ رنگ اور چین میں آئل فاروڈ سکیئنڈل سمیت متعدد کمزور بنائے گئے۔ اس طرح کی فہرست بھی جاری ہوئیں کہ آصف علی زرداری نے حیدر آباد کو اب شاہ اور کراچی میں کئی ہزار ایکڑ قیمتی زمینی اور کمزور اراضی خریدی، 6 شوگر ملوں میں حصص لیے۔ برطانیہ میں 9 امریکہ میں 9 بیل جیم میں 2 فرانس میں 2 اور دوئی میں کئی پرنٹنگس میں مختلف ناموں سے سرمایہ کاری کی جبکہ پٹی پر اسرار دولت کو چھپانے کے لیے سمندر

بانو کی چوبیس فرسٹ کینیاں تشکیل دیں۔

غلام اسحاق خان سے لے کر نواز شریف اور پرویز مشرف تک کی حکومتوں نے اندرون و بیرون ملک ان الزامات، ریفر بیٹور اور مقدمات کو آگے بڑھانے کے لیے ایک خطرناک فرج کی۔ آصف زرداری تقریباً 11 برس جیل میں رہے۔ جیل میں بھی آصف زرداری مرکب توجہ رہے۔ انہوں نے لہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی کام کیے، جن میں کھانے اور کپڑوں کی تقسیم اور نادار قیدیوں کی معائنات کے لیے رقم کا بندوبست بھی شامل رہا۔ دوران قید ان پر جسمانی تشدد بھی ہوا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ قید کے دوران انہیں ڈیپریٹس اور کمر کے درو کی شکایت بھی پیدا ہوئی۔ 2005ء کے میں آصف زرداری ہیر ہرن ملک چلے گئے اور سیاست سے الگ تھلگ خود کو دوئی اور نیو یارک تک محدود کر لیا۔

جب پرویز مشرف اور بنظر بھٹو کے مابین امریکہ، برطانیہ اور بعض بااثر دوستوں کی کوششوں سے معاملات کا آقا ز ہوا تو اس کے بعد ان کے اور آصف زرداری کے خلاف عدالتی تعاقب سبب بنانے لگا۔ کوئی ایک مقدمہ بھی یا تو ثابت نہیں ہو سکا یا واپس لے لیا گیا یا حکومت مزید پیروی سے دستبردار ہو گئی۔ اس سلسلے میں اکتوبر 2007ء کے میں متعارف کرائے گئے متنازعہ قومی مصالحتی آرڈیننس (N.R.O) نے اہم کردار ادا کیا۔

27 دسمبر 2007ء کو بنظر بھٹو کی وفات کے بعد آصف علی زرداری کی قیادت میں پیپلز پارٹی انتخابات میں سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ شروع میں اعجاز یہ تھا کہ آصف زرداری صرف پارٹی قیادت پر توجہ مرکوز رکھیں گے اور سونا گندھی بن کر رہیں گے لیکن پھر انہوں نے ملک کا صدر بننے کا فیصلہ کر لیا اور آج آصف علی زرداری اپنا یہ ہدف پانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اوالطالعاری بھٹو اور فاروق لغاری کے بعد آصف زرداری پاکستان کے تیسرے ایسے صدر ہیں جو قید کے تجربے کے بعد ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہوئے ہیں۔

اقبال

تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

امیر الاسلام ہاشمی

دہقان تو مرکپ گیا اب کس کو چکاؤں
مٹا ہے کہاں خوشہ گندم کہ جلاؤں
شاہین کا ہے گنہو شای پہ ہیرا
بجٹکے فردایہ کو اب کس سے لڑاؤں
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
بر دارمی میں تھک ہے ہر اک آنکھ میں دھیر
مومن کی نگاہوں سے ہلکی نہیں تقدیر
توحید کی تلوار سے خالی ہیں نیاں
اب ذوق بقیں سے نہیں کھٹی کوئی زنجیر
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
شاہین کا جہاں آج کرگرس کا جہاں ہے
ملتی ہوئی غنا سے عباد کی اڑاں ہے
ماتا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور
شاہین میں مگر طاقت پرواز کہاں ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
مرمر کے سلوں سے کئی بے زار نہیں ہے
رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہر اک شخص مسلمان ہے لیکن
دیکھو کہیں عام کو کردار نہیں ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
بے پاکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و دغا بازی پہ اترتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا زور ہو
وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
بیہا سبھی ہوتی تھی سحر جس کی اڑاں سے
اس بندہ مومن کو میں اب لاؤں کہاں سے
دہ سجدہ زمیں جس سے لرز جاتی تھی یار
اک بار تھا ہم چھٹ گئے اس بار گراں سے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بگڑے ہیں یہاں سویوں کے ذائقوں کے سب کے
اُٹتے ہیں تہہ ساریہ کل خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اس کا نہیں کوئی
اس کے گل خستہ پہ تواب دامت ہیں سب کے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
نمودوں کی صف آج ایازوں سے پرے ہے
جہور سے سلطان جہور ذرے ہے
تھامے ہوئے دامن ہے یہاں پر خودی کا
مرمر کے لیے ہے کبھی جی کے مرے ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
دیکھو تو ذرا محلوں کے پرووں کو اٹھا کر
ششیر رساں دگی ہیں طاغوں پہ سچا کر
آتے ہیں نظر سبب شای پہ رنجیلے
تقدیر ام سو مٹی طاس پہ آکر
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
مکاری و عیاری و غداری و ہیکان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
کاری اسے کہتا تو بڑی بات ہے یار
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
کردار کا مختار کا اعمال کا مومن
فائل نہیں ایسے کسی جناب کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگل کا مومن
وحدہ ہے بھی مٹا نہیں قرآن کا مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں



خوشخبری

بہت جلد تارکین "العقب" اہل سنت کے ممتاز شفیق حضرت مولانا حافظ خان محمد قادری ناظم اعلیٰ فداانِ ختم
دست پاکستان کے چشم کشا مضامین و مقالات سے لطف اندوز ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز حضرت مولانا امرزا
قادیانی کی زندگی پر شرمندگی کو منفرد اچھوتے اور بددلی انداز میں مسلمانوں کے لیے ہالوم اور تادیبوں کے لیے
ایک مومن مذکور پر رہا نہیں گئے۔

جاگ سنی جاگ

علامہ سید عرفان شاہ شہیدی

جگر گوشہ حافظ اللہ ریٹ سید محمد عرفان شاہ شہیدی طبع مندی بہاد الدین کے قصبہ بھکھی شریف میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی حضرت علامہ سید محمد جلال الدین شاہ 72 ہزار اداویہ جمع سند یافتہ تھے اور اسی نسبت سے آپ حافظ اللہ ریٹ کے لقب سے معروف ہوئے۔ اس خاندان کی شان کو صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی اور محدث اعظم حضرت مولانا راجہ راجہ جی قادری ایسی عظیم المرتبت شخصیات کی شفقتیں و محبتیں نصیب ہوئیں۔

علامہ سید عرفان شاہ شہیدی ذیلی الشرف و تکریم صاحب طرز ادیب و شاعر اور قارئین الکلام خلیفہ ہیں۔ میدان خطابت میں آپ کی شہرت جانی و جرات ہے مثال ہے۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت اور 1977ء کی تحریک نظام مطہر علیہ السلام میں بھر پور حصہ لیا۔ دو پرویز میں جب قادیانوں کو لانے کے لیے آگنی دلدہ 295C کو ختم کرنے کی سازش کی گئی تو آپ نے پہلے احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔ اس کے علاوہ عراق پر امر کی حملے کو ناکام بنانے میں بھی قیادت کر لی۔ آپ نے پہلے انقلابی بورڈ آف خاندانوں کے دائرے میں برسرِ برسرِ مخالفت کی اور اہل سنت کا موقف خصوصاً دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ گزشتہ برس گستاخانہ ناکوں کی اشاعت کے خلاف احتجاج میں قائدانہ کردار ادا کیا اور برطانیہ میں تاریخ ساز جلوس کی قیادت کی۔ اس جلوس میں عوام کی تھکرتھکرت کو دیکھ کر بریڈ فورڈ کے 10 عیسائی نوجوانوں نے اسلام قبول کیا۔

روح ذلیل مضمون میں تاریخ کے ایسے ہر محقق و ہر صادق کی حقیقت بیان کی گئی ہے جو مجاہد کے روپ میں مجاہد ہیں۔ انگریز کے کارسلس ان گماشتوں نے پروپیگنڈے کے بنیاد پر تاریخ کو کھنکھانے کی ناپاک سعی کی ہے۔ حضرت علامہ نے تاریخی حقائق کو درست رکھنے کی خاطر انہی کے بڑوں کی کتب سے حقائق بیان کرتے ہوئے سادہ اور سہولتوں کو ان کی سازشوں سے بچنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

برادران اسلام!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہاں اسلام کو جو نقصان پہنچا ہے ہمیں میں فیروں نے پہنچایا

اتحاد تو تھیں بھی نہیں پہنچائیں۔ جب بھی کفار و مشرکین نے اسلام کو چیلنج کیا، شہر اسلام کو کھانڈ پھینکنے کی سازش کی تو فرزند ان توحید و رسالت نے اس کا منہ توڑ جواب دیا اور ایسے مقابلوں میں مسلمانوں نے بڑی سے بڑی طاقتوں کے دانت کٹنے کر دیئے اور ان کو ناپ کر دیا کہ اسلام ایک مکمل رابطہ حیات اور کامل طاقت و قوت کا نام ہے جسے ٹھنڈا سمجھ کر لگائے نہیں جاسکتا۔

جب سرگردان اسلام نے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا ہر حربہ ناکام کر دیا تو انہیں اس قسم کے لوگوں کی ضرورت پڑی جو ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں مگر پردہ دشمنان اسلام ہوں۔ مسلمانوں کے عروج کے ساتھ ہی ان منافقین کی سرگرمیاں بھی عروج پر پہنچیں۔ اگر کہیں مسلمانوں کو ہزیمت یا مصائب و مشکلات پیش آئیں تو ایسے ہی لوگوں کی سازش میں پردہ تھی۔ ہندوستان میں جب اولیاء کرام کے فیضان سے دین اسلام کو عروج حاصل ہوا تو دشمنان اسلام نے یہاں سے اسلام اور اہل اسلام کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور اپنے ہر قسم کے حربے استعمال میں لانے کے باوجود جب وہ ناکام ہوئے تو انہوں نے ماضی میں استعمال شدہ نسخے کو آزمائے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

ایمان کے ڈاکوؤں کی تلاش: انہوں نے مسلمانوں میں ایسے لوگ تلاش کیے جو بے ضمیری اور دین فروشی میں اپنی مثال آپ ہوں اور ان ضمیر فروشوں نے جو کاردارا دیا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے انتہائی غلیظ اور سیاہ ترین ابواب ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں ایسے پتھر دلوں بے شمیر کہیں میر جعفر و صادق کے روپ میں نظر آتے ہیں اور کہیں ابو الفضل و فیضی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں جعفر و صادق نے میدان کا رزار میں مسلمانوں سے غداری کر کے انہیں ذلت و رسوائی اور فحاشی سے دوچار کر دیا وہیں ابوالفضل و فیضی مسند علم پر فسادش ہو کر دین و مذہب کا حلیہ بگاڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلام دشمن تو توں کے اس حربے کے استعمال سے انہیں مطلوب فوائد حاصل ہو گئے اور انگریز نے ہر اسلام کی بزدلی پر ایک اور ضرب لگنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ یہ کہ

مسلمانوں کے دلوں سے وہ جذبہ نکال دیا جائے جس کے بل بوتے پر یہ بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرائے سے تامل نہیں کرتے اور وہ جذبہ ہے عشق رسالت ﷺ کا۔ اس جذبہ عشق و مستی کے متعلق انگریزوں کے بڑے بڑے پالیسی میکرز اور سرکارز نے کہا تھا کہ جب تک ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں سے عشق مصطفیٰ ﷺ کی دولت کو لوٹا نہیں جاتا اس وقت تک ہمارا کوئی پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہم سرزمین ہند کے سیاسی میدان میں کامیاب ہو سکتے ہیں مذہبی میدان میں۔ یہ کام سراسر انجام دینے کے لئے انہیں سستے دامنوں لئیر سے مل گئے جنہوں نے اپنے فرض منصبی کو پورا پورا نبھانے کی کوشش کی اور صراطِ مستقیم، تقویۃ الایمان، بخیر الناس، حفظ الایمان اور بلسلغۃ الحبران وغیرہ کے نام سے مسلمانوں کے ایمان پر منظم اور زبردست یلغار کر دی۔ یوں تو اور بھی بہت سے نام ایمان فروشوں اور ضمیر فروشوں کی لسٹ میں آ سکتے ہیں مگر وہیں فروشی کی فہرست میں سب سے اعلیٰ مقام امین عبد الوہاب نجدی اور ابن تیمیہ کے گماشتوں نے حاصل کیا جن کا ہیڈ کوارٹر ہندوستان کے شہر دہلی میں تھا۔ وہ یونہی گویا دین فروش اور ضمیر فروش کی ایک انتہائی نشان اور علامت بن گیا۔ جہاں بھی تاریخ میں ضمیر فروش کی روایات ملتی ہیں وہ پر وہ یا ظاہر ان کا وہیہ بند سے ہی ناظر ہوتا ہے۔ سابقہ دور کے غداروں سے ان انگریز کے کارہیوں میں یہ کمال بھی بدرجہا موجود تھا کہ پہلے دور میں سیاسی ایلچ پر جو غدار تیار کیے جاتے وہ قوم و ملت سے غداری کرتے اور وہیں فروش علیحدہ تیار کئے جاتے جو خلاف اسلام طاقتوں کے حق میں شاعر اسلامی کی تاویلات کرتے لیکن انہوں نے تو کمال ہی کر دیا کہ دوڑن محاذ خوئی سنبھال لئے یعنی بلا شرکت غیر سے دین فروش اور ضمیر فروش کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔

ہندوستان میں جب سے اس فتنے نے سر نکالا ہے علماء حق اہل سنت و جماعت نے اسی وقت سے اس کی بھرپور مخالفت کرتے آئے ہیں۔ شیران اہلسنت سادہ لوح مسلمانوں پر واضح کرتے آئے ہیں کہ یہ دشمنان اسلام ہیں خدا اور خدا کے رسول کے دشمن ہیں۔ علمائے اہل سنت کی ان کے

خلاف اس بھرپور تحریک نے وہیہ بندیوں نجدیوں کے عزائم خاک میں ملا دیے اور ان کی تحریک سرو پڑنے لگی۔ مگر سات سہند پارے آیا ہوا گورا جو رقیقت وہیہ بندی نجدی ملاؤں کا آن و اتا تھا، نے ایک نئی چال چلی اور اس گرد و گرد میں روپ دے دیئے اور ان کو پھر سے مسلمانوں کے پیچھے لگا دیا یوں سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز نے اپنے دامن ترویم میں پھنسانے کا سامان کیا۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے نیک سوچی سمجھی تنظیم کے تحت کسی کو توفیق جماعت کا نام دے دیا کسی کو حقیقت العلماء اسلام کا نام دیا اور کسی کو تحریک مجاہدین کے نام سے متعارف کرایا۔ دراصل ان تمام کا مشن ایک ہی تھا۔ وہ مقصد وحید مسلمانوں کے دلوں سے عشق مصطفیٰ ﷺ کو ختم کرنا اور مسلمانوں کے دلوں سے غیرت اسلامی و حقیقت اسلامی ختم کر کے انگریز کے غلام اپنی عبد الوہاب نجدی کا پیروکار بنانا اور اس کے ملحدانہ عقائد کی ترویج و اشاعت تھی۔ علماء اہل سنت نے ہر مقام پر ان کی سرکوبی کی اور ہر طریقہ سے مسلمانوں کو ان کے دامن ترویم سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی جس میں محمد اللہ و کامیاب رہے۔

تاریخی حقائق کو شوخ کرنے کی کوشش

یہ لوگ سرکار انگلشیہ کی پرانی تعلیمات کے مطابق مختلف لہاؤں اور ڈھکروں پرانی بے غہر قی اور منافقت کا ثبوت دیتے ہوئے چور دروازے سے پاکستان کی غیر جمہوری و غیر اخلاقی حکومت میں شامل ہو گئے ہیں اور کسی اختیار پر براہمان ہوتے ہی انہوں نے اپنے سابقہ غلط و مکروہ کردار اور اپنے اکابر کی شرمناک دین فروش اور ضمیر فروش کے حقیقی واقعات میں توڑ موڑ شروع کر دی ہے۔ مزید برآں تمام ذرائع استعمال میں لاتے ہوئے یہ پروپیگنڈا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے اکابر بہت بلند کردار خام و بین اور محب قوم و ملت تھے۔ یہ بے دین لوگ اپنے خلاف اسلام عقائد کا پرچار کھیلے عام کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ علماء حق اہل سنت و جماعت کے کردار کو شوخ کرنے کی ہم شروع کر رکھی ہے۔ رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان سے اقتباسات ریلے پوری ہوئی پر نشر کئے جا رہے ہیں جو مملکت پاکستان میں پھنے والے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے دینی

ہدایت لے ساتھ ٹھیلے کے مترادف ہے۔

جمیعت علماء اسلام اور تبلیغی جماعت کی حقیقت

یہ لوگ اپنی مکمل تاریخ کو بدل کر پردہ پیگنڈ سے سادہ لوح عوام کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تحریک آزادی میں ہمارے مجاہدین نے کام کیا اور دیوبندی ملاؤں نے انگریز کی مخالفت کی اس کے علاوہ تحریک پاکستان پر پردہ پیگنڈ اسے قبضہ ہمارے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیز بعض ایسے شام موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر مقام پر فرقہ واریت اور تعصب سے کام لیتے ہوئے اہل سنت کے حقوق پر ڈاکو ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس سے پہلے کہ ان کے سد باب کے متعلق کوئی مشورہ دیا جائے یا کسی لائحہ عمل کا تذکرہ ہو دیوبندیوں نے مجاہدین کی صحیح تصویر انہیں کی زبانی ملاحظہ ہو۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دیوبندیوں کے دعووں میں حقائق سے کس حد تک مطابقت ہے۔

● کلکتہ میں جمیعت العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایمے قائم ہوئی۔

● مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمیعت علماء دیوبند دہلی نے کہا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتدا حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔

قارئین!

غور فرمائیں کہ حکومت انگلشیہ کو تبلیغی جماعت کی مالی امداد کر کے کیا فائدہ تھا؟ ثابت ہوتا ہے کہ بانی تبلیغی جماعت الیاس صاحب سادہ لوح مسلمانوں کو کلہر سیدھا کر دے گا ڈھونگ بچا کر درپردہ سرکار انگلشیہ کی انتہائی کرتے ہوئے سادہ لوح مسلمانوں سے عشق مصطفیٰ ﷺ کی دولت لوٹ کر اپنی سرکار انگلشیہ کے غلام بنانا چاہتے تھے۔

۱۔ سادہ لوح مسلمانین

۲۔ ایضاً صفحہ ۸

تحریک آزادی میں نجد و دیوبند کا کردار

کئی بھائی! انگریزوں کے ایجنٹ تبلیغی سادہ لوحوں کے لیے بغض مصطفیٰ ﷺ سے بھرے ہوئے ان سے حتی المقدور ہوشیار ہیں۔ آئیے اسب سے پہلے تحریک آزادی میں نجد و دیوبند کی بیدارواروں کے کردار کا سرسری نظر سے معائنہ کرتے ہیں۔

● دیوبندیوں کے اکابرین مولوی رشید احمد گنگوہی اور بانی دیوبند مولوی قاسم نانوتوی کے حقائق خود ان کا شاگرد مولوی عاشق الہی میرٹھی دیوبندی لکھتا ہے کہ ”حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم نانوتوی و حافظ ضامن کے ہمراہ تھے کہ ہندو قہلیوں (مجاہدین آزادی) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جتھے اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔“

مولوی عاشق الہی کی اس عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اکابرین دیوبند سرکار انگلشیہ کی محبت میں اسنے جانی ہو چکے تھے کہ مجاہدین آزادی سے مقابلہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور پھر مجاہدین آزادی کو اپنی سرکار کا باغی تصور کر کے ان کا مقابلہ کیا۔ ساتھ ہی نوٹ فرمائیں کہ انگریز کے حق میں مجاہدین سے لڑنے والے کوئی عام سے آدمی نہیں بلکہ بانی دہر دیوبند اور تمام بیویوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی اور دیوبندیوں کے شیخ ربانی رشید گنگوہی ہیں۔

● ”دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا

گیا ہے کہ ان کو وہ ۶۰ (چھ سو) ماہ اور حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔“

سرکار انگلشیہ سے چھ سو روپیہ کس خدمت کے صلہ میں مل رہا ہے؟ بات بڑی پختہ ہے اور رادی بھی کمزور نہیں بلکہ دیوبندیوں کا مولوی شبیر احمد عثمانی کہہ رہا ہے۔ چلو یہ تو یہ چلا کہ دیوبندیوں نے نجد کے حکیم الامت کے دین اور ضمیر کی قیمت صرف چھ سو روپیہ ہے۔

۱۔ تذکرۃ الرشید ص ۴۰

۲۔

۳۔ مکتبہ الصدر بن صفحہ ۱۰

سید احمد اور شاہ اسماعیل ”مجاہد یا غدار“

ان حضرات کے متعلق بھی پڑھ لیجئے جن کو بخدی دیوبندی امیر الانجادین علیہما علیہ کہتے ہوئے جھگڑے نہیں تھے۔ ان کی اپنی کتابیں ہیں اور ان کے ہم مسلک دہم مشرب لکھنے والے ہیں میری حیثیت تو محض ناقل کی ہے۔ ان حوالہ جات سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ جس تحریک کو وہابیوں نے جہاد کا نام دیا دراصل اسے ”تحریک زراعت دزدی و ایمان فردشی“ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ درج ذیل حوالہ سے آپ اندازہ لگا سکیں کہ ان انگریزوں کے پٹھوؤں نے کس طریقہ سے لائسٹ کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کا ناحق خون کیا اور کرایا۔ کس طرح میدان جنگ میں سسکتے ہوئے ڈھال ڈنڈی پہاڑیوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

● مرزا حیرت دہلوی کی کتاب میں ہے کہ ”مکملت میں جب مولانا اسٹینل نے جہاد کا وعظ شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ تو آپ نے کہا ان پر جہاد کا کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہونے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں۔“

اس سوانح اور منسلک مکتوبات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریز سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزادوں کی اپنی ہی عمل داری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریز اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو بددینہ پستی گھر سرکار انگریز اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

● سید احمد کا یہ عقولہ بھی پڑھ لیجئے کہ سرکار انگریز پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول

اندہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں۔

● سید احمد اور اسٹینل کی لڑائی سکھوں سے ہی نہیں بلکہ انگریزوں کے اشارے پر مسلمانوں سے ہوئی اور سکھوں سے پہلے اپنی تلواروں سے مسلمانوں کا ناحق خون بہایا۔ ملاحظہ فرمائیں ”حضرت مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی سکندرنوٹھ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ وہ قافلہ میں ہمراہ تھے۔ بہت سی کراٹیں حضرت سید صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبداللہ کھنوی، مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی محمد حسین رامپوری بھی ہمراہ تھے اور سب ”حضرات“ حضرت سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد کسی یار محمد خان عالم یا طحان سے کیا تھا۔“

● سید احمد میدان جنگ میں نہیں مرا تھا بلکہ سادہ لوح ہمایوں کو مروا کر خود فرار ہو گیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: ”دوسرے شخص نے بیان کیا ہم انہی دنوں سید صاحب کو ایک چھاڑی میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعہ کچھ فاصلہ پر گزر گواہت سنا۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے؟ سب لوگ اخیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو خلیفہ بنالیا ہے اور ان کی بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لئے ہم نہیں آ سکتے۔ اتنا فرما کر قافلہ والوں کی حالت پوچھی اور پھر روانہ ہو گئے۔ میں نے بھی ہمراہ ہونے کے لئے عرض کیا تو منع فرمایا اور سید صاحب مع ہمراہیان غائب ہو گئے۔“

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد انگریز کے ایجنٹ تھے اور انگریزوں کے اشارے پر انہوں نے سکھوں سے لڑائی کا ڈھونگ رچایا۔ اس کے علاوہ صرف سکھوں

سے ہی نہیں لڑے بلکہ حاکم یا حکمران یا راجہ سے بھی لڑے جیسا کہ اس کے نام اور ملک سے واضح ہے کہ وہ مسلمان تھا نیز اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکمل رہے بلکہ ان کو ہیں چھوڑ کر خود انگریز حکومت کے آرڈر پر فرار ہو گئے۔

یہ تمام حقائق ہیں جو نجدیوں، دیوبندیوں کی اپنی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں اور ان میں کسی قسم کے مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا۔ منہ انہی کے چاہنے والوں کی وہ عبارات پیش کی ہیں جنہوں نے اسامیل اور سید احمد کے چہرے سے پروپیگنڈا کے ذریعے تقدس کا ڈالا ہوا پردہ جو بچ کر رکھ دیا ہے۔

اندریں حالات دیوبندی، نجدی، مودودی وغیرہ حقائق کو سبھ کر کے تاریخ کو جھٹلاتے ہوئے دین و ملت کے خدایوں کو کھلم کھلا حق ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس مذموم کوشش میں روز بروز تیزی سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے سب سے پہلے تاریخ کو سبھ کیا۔

آج سکول دکن کے سٹیبلز میں صرف ان خدایوں دین و دین کا تذکرہ ہے اور ان کو ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کہ جو جوان نسل ان کو ہی اپنے اسلاف اور مجاہدین آزادی تصور کریں۔ آج دیوبندیوں، نجدیوں کو اسٹیج پر کھتے ہوئے ذرہ برابر شرم نہیں آتی کہ اسامیل، دیوبندی، سید احمد بریلوی اور دوسرے دیوبندیوں نے خود اپنا تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ ان کا گمراہ کن پروپیگنڈا اس حد تک ہو چکا ہے کہ سادہ لوح اور بے تجربہ جوان طبقہ ایک حد تک گمراہی کا شکار ہو چکا ہے۔

تحریک آزادی میں اکابرین اہلسنت کا ورکشاپ کر دار سرخیان تحریک آزادی، شہیدان جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی، شہید، مولانا سید کفایت علی کافی شہید، مولانا شاہ احمد اللہ بدایونی، شہید، مولانا غلام امام شہید، جنرل بخت خان، مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا فیض احمد بدایونی، مولوی امام بخش سہبائی، مولانا رضا علی خان، مولانا ہاج الدین، مفتی انعام اللہ وغیرہم یہ تمام بزرگ علماء اہل سنت اور معروف و شہانہ موصوفین علیہ السلام ہیں جنہوں نے شیخ آزادی کو فروزاں کرنے کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیئے اور

انگریزوں کے خلاف تحریک چلانے کی پاداش میں مولانا سید کفایت علی کافی کو تھوڑے وار پر لٹکا دیا گیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوری، مفتی رسول بخش کاکوری اور کئی ایک زعماء کو دیا ہے شہر کی سڑکوں کی گلیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا وہاں انتقال ہوا اور بہت سے رہنمایان قوم کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ یہ بات تمام مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ انہی علمائے اہل سنت نے تند تیز آند میں شیخ آزادی کو جلائے رکھا مگر وہ انہی تعصب اور بے غیرتی کران رہنمایان قوم کو خدا کی ملامت کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان علماء اہل سنت کے متعلق مختصر احوال جات ملاحظہ فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء اہل سنت نے ہی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔

● علامہ (فضل حق خیر آبادی) جنرل بخت خان کے پاس ملنے کے لئے پہنچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر تیرش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین آزرہ و صدر العبد و دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کر دیئے۔ اس وقت سے کہ شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نو سو ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔

● دہلی اور میرٹھ کی خبریں جب کھنڈ پھیلیں تو وہاں بھی حریت کے شہداء میں نے آزادی کی جدوجہد شروع کر دی۔ مرزا برہنہ قدس بادشاہت کا اعلان کرانے اور لوگوں کو آزادی وطن کے لیے جہاد میں شامل ہونے کے لئے تبلیغ کرنے والا بھی ایک عالم ہی تھا۔ اور یہ تھا صوفی احمد اللہ شاہ۔ اس کے متعلق سر قاضی سلیس نے لکھا ہے کہ صوفی احمد اللہ شاہ جبارت، عظیم البرکت، عزیمت نامک کا مک تھا اور ان تمام میں بہترین سپاہی تھا۔

● واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد عرصہ بعد ہندوستان گیر تحریک شروع ہوئی۔ مولانا فضل حق کو اپنا وطن عزیز تھا اور وہ اس کی غامی مرکز تھے۔ وہ اس سے واقف تھے کہ مسلمانوں نے جاہ و جلال

کے ساتھ اس ملک پر کم و بیش ایک ہزار سال تک حکومت کی اور یہ حکومت نائل بہ زوال و انحطاط ہے اور اس زوال و انحطاط کا سبب انگریز ہیں۔ وہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو نکالنے کے لئے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ غدر جب شروع ہوا تو سولانا بلا تامل شامل ہو گئے۔ وہ بہادر شاہ کے معتد اور مقرب مشیر تھے۔ ان کے دوبارہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہیں اہم معاملات و مسائل پر مشورہ دیا کرتے تھے اور اس بات کے مسامحہ تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دہلی سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائیں۔ مولانا نے غدر میں دلیری اور جرأت کے ساتھ اعلانیہ حصہ لیا اور انہوں نے متعدد والیان ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ جس جس دلی ریاست سے ان کے ذوقی تعلقات و مراسم تھے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان خود اس کے پاس پہنچے اور اسے آزادی وطن کا واسطو دے کر جدوجہد میں شریک کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو مولانا کی شرکت سے بڑی ہی تقویت پہنچی۔

● اس خالم حاکم نے میری جلا وطنی کا حکم دے دیا اور عمر قید کا حکم صادر کر کے عبور دیا۔ شور کی سزا سنائی۔ میری کتابیں، میری جائیداد اور مال و متاع اور اہل و عیال کے رہنے کا مکان غرض ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

● مجاہد اعظم حضرت مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی نے مراد آباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا اور جدھر آپ کا رخ ہوا برطانوی اقتدار کے پرچھے اڑ گئے۔ سلطان بہادر شاہ غفر نے آپ کو کشورہ کے لئے بلایا اور مولانا نے جنرل بخت خان، شیخ افضل صدیقی، شیخ بیشارت علی خان، مولانا شاہ احمد اللہ درازی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں۔ رام پور اور مراد آباد کے اکثر محرے سر کئے۔ بالآخر انگریزوں کے پتھو کلائی فخر الدین اور دوسرے خاندانوں کی

سازش سے 30 اپریل 1857ء کو گرفتار کر لیے گئے۔ مراد آباد میں سے متصل برسر عام آپ کو انگریزوں نے قلعہ دار پر لٹکا دیا۔ پھانسی کے وقت مولانا کافی شہید درج ذیل اشعار بڑے ترنم و ذوق کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

کوئی گُل باقی رہے گا نہ جن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صغیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چھپا
بلبلیں از جائیں گی سوتا چن رہ جائے گا
اطلس دکناب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پہ خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کٹاکی دیکھن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پہ اثر رہ جائے گا

ان کے علاوہ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت اللہ کا کوردی، مفتی رسول بخش کا کوردی، امیر کئی زخما کو عبور دیا۔ شور کی سزا سنائی۔ میری کتابیں، میری جائیداد اور مال و متاع اور اہل و عیال کے رہنے کا مکان غرض ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

● مجاہد اعظم حضرت مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی نے مراد آباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا اور جدھر آپ کا رخ ہوا برطانوی اقتدار کے پرچھے اڑ گئے۔ سلطان بہادر شاہ غفر نے آپ کو کشورہ کے لئے بلایا اور مولانا نے جنرل بخت خان، شیخ افضل صدیقی، شیخ بیشارت علی خان، مولانا شاہ احمد اللہ درازی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں۔ رام پور اور مراد آباد کے اکثر محرے سر کئے۔ بالآخر انگریزوں کے پتھو کلائی فخر الدین اور دوسرے خاندانوں کی

کوسخ کر ڈالا ہے۔ جو لوگ غداران وین و ملت ہیں ان کو قوم کا ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور جن لوگوں نے سر بلندی دین اور آزادی وطن کی خاطر اپنی جانیں نثار کر دیں ان کا تاریخ میں کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ بعض متعصب اور کوتاہ نظر دیوبندیوں، نجدیوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے ساتھی تحریک آزادی کے مخالفین میں سے تھے۔

سنی بھائیو! غور کرو کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟؟؟ اس کی بوی وجہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ اور عوام اہل سنت گہری فینوسچکے ہیں۔ وہ اکابرین کو بہتر طریقہ سے فراخ عقیدت پیش کرنا تو کہاں کی اصلی تاریخ کو بھی محفوظ رکھنے کے قابل نہیں رہے اور اپنے اسلاف کی روشن تاریخ پر کئے گئے حملوں کے جواب کی بھی اپنے میں سکت نہیں رکھتے۔

سنی بھائیو! شہیدان جنگ آزادی کی ردحوں کو بے چینی کے سمندر سے نکال کر سکون پہنچانے کے لئے اور اپنی نوجوان نسل کو حقائق سے روشناس کرانے کے لئے ہمیں جاگنا پڑے گا۔ ان لوگوں کو تاریخ بے غیرت کہتی ہے جو اپنے اسلاف کے چپکے ہوئے ماضی کو اپنی آنکھوں کے سامنے سیاہ بلکہ سیاہ تر ہوتے ہوئے آرام سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہم بے غیرت نہیں بلکہ با غیرت ہیں۔ اس سلسلہ میں پورے نظم و ضبط کے ساتھ منظم طریقہ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی آپ کا حق ہے اور یہی وقت کی پکار ہے۔

تحریک پاکستان میں نجدیوں، دیوبندیوں کا کردار

آئیے اب تحریک پاکستان میں دیوبندیوں، نجدیوں کو تاریخی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور ان کے ممتاز اکابرین کی پاکستان کے بارے میں رائے ملاحظہ فرمائیں۔

● ”ہم لوگ پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں“

ہو جن لوگوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ان کے متعلق دیوبندیوں نجدیوں کے اکابرین کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

● ”جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سوزہ ہیں اور سوزہ کھانے والے ہیں“

● قائد اعظم محمد علی جناح کے متعلق دیوبندیوں کے خیالات نظر نواز ہیں۔

● ”دس ہزار جناح جواہر لال کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں“۔

● ”یہ قائد اعظم ہے یا کافر اعظم“

ہمزہ خیالات تحریک پاکستان کے وقت ہی نہیں تھے پاکستان بن جانے کے بعد بھی ان کا نگرانی نواز ملاؤں کے یہی خیالات ہیں اور یہ لوگ دل سے ابھی تک پاکستان کے دشمن ہیں۔ اس سلسلے میں حوالہ ملاحظہ ہو۔

● جو لوگ پاکستان کی مخالفت کرتے تھے جب یہ کہتے تھے کہ یہ محض فریب ہے، سیاسی چال ہے، تو کیا وہ غلط کہتے تھے۔

● عبدالماجد دریا آبادی لکھتا ہے کہ دریا آبادی ۲۳ فروری ۱۹۴۷ آج چاروں سے اس قصبہ پر کانگریسی مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیوبند کے طلبہ ایک دستہ آیا ہوا ہے اور اپنے مسلک کی تبلیغ یا کوشش تبلیغ میں مصروف ہے۔ قیام ان کا ”دھر مراہ“ میں ہے حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں دو ”سرائے“ مسلمانوں کی موجود ہیں۔ ان کا رہنا سہنا، چنانا پھرنا کھانا پینا تمام تر ہندوؤں کے ساتھ ہے۔

اس کے علاوہ اور بے شمار حوالہ جات ہیں جن میں ان لوگوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ اگر نبوت قسم نہ ہوتی تو آج کا گاندھی جی ہوتا اور گاندھی کو نہر رسول ﷺ پر بٹھا کر نرے لگائے۔

۱۲۱۵

۱۶۵ جہانگیر علی خان، صفحہ ۱۶۵

۱۲ جہان القرآن، جمادی الاول ۱۳۵۳ھ

۱۶۵ جہانگیری احمد جعفری

۱۶۵ تحریک پاکستان اور فیصلہ ملت

تحریک پاکستان میں علمائے اہل سنت کی لازوال خدمات

اس کے برعکس علماء اہل سنت و جماعت بریلی نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ علماء اہل سنت نے آل انڈیا ماس کافرنس میں نہ صرف مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر مسٹر جناح پاکستان کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں تو ہم پھر بھی اس تحریک کو نہیں چھوڑیں گے اور پاکستان بنا کر دم لیں گے۔ جب منٹو پارک لاہور میں قائد اعظم نے قرارداد پاکستان منظور کروائی اس وقت مسیح پر مولانا عبدالحمید بدایونی اور مولانا عبدالغفور ہزاروی بھی موجود تھے۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سرور احمد صاحب نے اندرون ہندوستان طوفانی دورہ کر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلایا اور تحریک پاکستان کی افادیت سے آگاہ کیا۔ علامہ ابوالحسنات، پیر صاحب مانگی شریف، پیر صاحب آف زکوزی شریف، امیر ملت پیر سید ہرعت علی شاہ، پیر صاحب بھرچوٹی شریف، پیر صاحب شرقتور شریف وغیرہ نے اپنے مریدوں سمیت تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں چند حوالہ جات اختصار کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

● اس کے بعد مسز عبدالستار خان نیازی ایم اے نے پاکستان ریڈولیشن (قرارداد) پیش کرتے ہوئے پرجوش تقریری۔ مرزا عبدالحمید نے ریڈولیشن کی تائید کی اور مسٹر جناح کی اختتامی تقریر کے بعد ریڈولیشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔

● مسلم شوڈنس فیڈریشن پنجاب کے متفقہ کونشن پر مولانا عبدالحمید بدایونی کے تاثرات: اس فرض سے پنجاب مسلم لیگ بھی غافل تھی۔ مقام شکر ہے کہ نو مسلم قوم نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے پاکستان کے صحن مرکز میں کافرنس کرنے کا فیصلہ کیا۔

● کاش جناح کالونی لائل پور کے مسلمان بھی سوچیں کہ اس اسلام کا علم بردار جو قیام پاکستان کا مخالف تھا۔ ہمارا خطیب و امام نہیں بلکہ کوئی مولانا محمد صادق سیالکوٹی، پیر صاحب گلڑہ شریف، پیر

صاحب چورہ شریف کے مریدین یا سید محمود شاہ گجراتی جنہوں نے تحریک پاکستان میں اپنی تقریروں سے مسلمان ہند کو حضرت قائد اعظم کی بھونائی اور رفاقت کے لئے ابھارا تھا۔ ان کا کوئی شاگرد ہونا چاہیے۔

● لاہور کے جولائی صوبہ سرحد کے مسلم لیگی زعماء جو قائد اعظم سے تباہ خیالات کرنے کے لئے دہلی گئے ہوئے تھے آج دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز پشاور جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے لاہور کے فضائی اڈہ پر اترے۔ لاہور کے بے شمار مسلمانوں نے سرحدی زعماء کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مولانا ابراہیم علی خشتی اور مولانا عبدالستار خان نیازی ایم اے پنجاب بھی شامل تھے۔ نمائندہ پریس سے انٹرویو کے دوران پیر صاحب مانگی شریف نے کہا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کا مستقبل نہایت ورخشاں ہے اور وہ پاکستان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کریں گے۔ پیر صاحب نے مولانا ابراہیم علی کو بتایا کہ وہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک کے خاتمہ کے بعد مسلم قوم کی اخلاقی باندی کے لئے جدوجہد کریں گے۔

اس کے علاوہ اور بے شمار حوالہ جات نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اسی نے حضرت قائد اعظم سے علامہ ابوالحسنات قادری کو "پیر کشمیر" کا لقب عطا کیا اور مولانا عبدالحمید بدایونی کو بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے متعلق اپنے موقف سے آگاہ کرنے والے کمپنی میں رکھا۔ انہیں علماء و مشائخ اہل سنت پر اعتماد بلکہ فرقا نہیں ملا۔ علماء و مشائخ اہل سنت کی سماعی جملہ سے ہی ہر جگہ مسلم لیگ کو کامیابی نصیب ہوئی اور کانگریسی لال جھکڑو ملاؤں کو مذمت کی کھائی پڑی۔

نجدی ویو ہندی ٹولے کی ساراشیں

سنی بھائیو! آج ویو ہندی 'نجدی' موودوی یہ بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ تحریک پاکستان کی

مخالفت کا داغ ہم اپنے ماتھے سے دھوا لیں اور پروپیگنڈا کے زور سے لو جو ان نسل کے ذہن میں بٹھا دیں کہ ہم نے تحریک پاکستان میں کام کیا اور ہمارے اکابرین نے قربانیاں پیش کیں۔ آج ہم اخبارات و رسائل میں پڑھ رہے ہیں کہ یہ کانگریسی "ملاں" اپنی روایتی منافقت کو کام میں لاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تحریک پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی۔ انگریز اور کانگریس کے سنسکی پیداوار تھیست علماء اسلام کے لیڈر جنہوں نے گو جرانوالہ شریعت کانفرنس میں برسرعام کہا تھا کہ ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں تھے۔ آج یہ لوگ اپنے آپ کو پروپیگنڈا سے تحریک پاکستان کے جانثار ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ابھی تک ان کا پروپیگنڈا اموش ثابت نہیں ہوا۔ جب بھی یہ اس قسم کی سازش کرتے ہیں محبت وطن علماء اہل سنت و صحافی ان کے منہ پر حقائق کا ایسا پتھر رسید کرتے ہیں کہ ہوش نہیں رہتی۔

سنی بھائیو! اگر آپ بیدار نہ ہوئے تو کل وہ دن دور نہیں جب یہ کانگریس کے کارسلیس پروپیگنڈا کے زور سے لو جو ان نسل کے ذہنوں میں یہ بات راج کر دیں گے کہ ہم ہی تحریک پاکستان کے ہیرو ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل سنت منظم ہوں اور پورے نظم و ضبط کے ساتھ انہیں اور ہر سنی اپنے میں اتنا جذبہ پیدا کرے کہ جب بھی کوئی اسلاف کی تاریخ پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کا منہ توڑ جواب دے سکے۔ جب اہل سنت منظم ہو جائیں گے تو ان کا یہ غارتگری جرات ہی نہیں ہو سکے گی کہ وہ اہل سنت کے ساتھ کسی قسم کی بددیانتی سے کام لیں۔ ضرورت صرف پوری باقاعدگی کے ساتھ منظم ہونے کی ہے۔

پاکستان کے تمام ٹکسوں میں جہاں تک ان کی رسائی ہے اہل سنت کے ساتھ معاندانہ سلوک کیا جا رہا ہے خصوصاً محکمہ اوقاف میں امتیازی سلوک ہو رہا ہے۔ اوقاف کی اکثر کلیدی اسامیوں پر دیوبندی قابض ہیں۔ اس کے باوجود کہ پاکستان میں اکثر آبادی اہل سنت کی ہے اور ملک کا سوا اعظم اہل سنت و جماعت ہیں لیکن اوقاف کی مساجد میں جہاں کوئی اسامی خالی ہوتی ہے یا کسی اہل

نہ ظہیب کو انتظامیہ تعصب کی بناء پر برطرف کیا جاتا ہے تو اس کی جگہ دیوبندی مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں پاکستان میں تو بہت ہوں گی مگر پنجاب میں بھی ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ اوقاف کا مقرر شدہ ظہیب پہلے تو اپنے آپ کو اہل سنت کہلاتا ہے اور اپنے اسلاف کی طرح روایتی منافقت سے کام لے کر وہاں ذیہ ہمالیتا ہے پھر آہستہ آہستہ سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے داس و تودیر میں پھنسا لینے کے بعد اپنے عقائد کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اوقاف کی کل آمدنی کا 90 فیصد حصہ اہل سنت کا ہوتا ہے جو درباروں سے حاصل ہوتا ہے۔ جب حکومت آمدنی کا کچھ حصہ مدارس کو بصورت گرانٹ دیتی ہے تو دیوبندی پنجوی جو اوقاف کی بڑی اسامیوں پر قابض ہیں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے دیوبندیوں، نجدیوں کے چھوٹے چھوٹے فرضی مدارس کو بھی بڑی بڑی گرانٹیں دیتے ہیں اور اہل سنت کے سرکاری مدارس کو یا تو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا معمولی گرانٹ دی جاتی ہے۔

سنی بھائیو! یہ کیوں ہو رہا ہے؟ علماء اہل سنت بھی اوقاف میں شامل تو ہیں اور کام بھی کر رہے ہیں لیکن وہ ان بے اعتدالیوں اور بددیانتیوں کو روک نہیں سکتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہم مسلک و عقیدہ لوگ منظم نہیں ہیں۔ ان کے پاس ایسی طاقت نہیں ہے جو ان کی تائید میں محکمہ پر پریشر ڈال سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل سنت منظم ہوں اور جب اہل سنت پورے نظم و ضبط کے ساتھ کوئی بھی مطالبہ کریں گے تو ایسے نوڈی قسم کے کارسلیسوں کی وہاں سے گنجائش ختم ہو جائے گی۔ آپ صورت طوفان ہیں کہ آپ کا سامنا کوئی نہیں کر سکتا مگر ضرورت صرف منظم ہونے کی ہے۔

وہابی دیوبندی ایک ہی سکے کے دو رخ

یہ بات حقائق سے ثابت ہے کہ دیوبندی، اہل حدیث تمام ہی وہابی ہیں اور ان کا پشیرا زبان عبدالوہاب نجدی ہے۔ اس کا اقرار خود دیوبندی اکابرین کر چکے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

● چاہے فاسق کہیں یا کہ غیرت کہیں یا دہائی اور بے ملت کہیں اپنے حق میں مستقل زندگی ہے۔

● دیوبندیوں وہاہیوں کو اپنی قوت کا علم نہیں۔ یہ ایسا بات ہے جیسے کہ مشہور ہے بھیڑیے کو اپنی طاقت کا علم نہیں۔

● دیوبندی وہاہیوں سے مذہبا اعتقاداً مکمل متحد ہیں چنانچہ رشید احمد گنگوہی لکھتا ہے: عقائد میں سب متحد مقلد غیر مقلد ہیں۔

● مولوی اشرف علی تھانوی کا قول ہے کہ ”اگر میرے پاس دس ہزار روپیہ ہو تو سب کی تنخواہیں کروں، پھر خودی سب دہائی بن جائیں گے“

● کا پور کی جامع مسجد میں (جہاں تھانوی صاحب کے طلباء رہتے تھے) چند عورتیں مضامین پر نیاز دلانے کے لئے لائیں تو طلباء بغیر نیاز دے سب کھائی گئے۔ اس پر بڑی براہی جیل اور کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تو تھانوی صاحب نے فرمایا ابھی یہاں دہائی رہتے ہیں۔ یہاں نیاز و فاتحہ کے لئے کچھ مت لایا کرو۔

اس کے علاوہ اور بیسیوں حوالہ جات ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر یہاں درج نہیں کیا گیا۔ مندرجہ بالا حوالہ جات دیوبندیوں کی سلسلہ کتابوں سے دیے گئے ہیں جن میں اکابرین دیوبند نے تسلیم کیا ہے کہ ہم دہائی ہیں، ہمارے عقائد بھی وہاہیوں و نجدیوں سے ہیں لہذا اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ آج دیوبندی پورے ملک میں پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ ہم اہل سنت ہیں اور اپنے پروردگاروں کوئی کافر نہیں ہے منسوب کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے

۱۲ افاضات یومیہ صفحہ: ۲۵۰

۱۳ افاضات یومیہ جلد: سوم صفحہ: ۶۷

۱۴ تقویمہ ایمان و تذکیر الاموال

۱۵ فتاویٰ رشیدیہ جلد: دوم صفحہ: ۱۰

۱۶ اشرف السوانح حصہ: اول صفحہ: ۵۵

● یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ اہل سنت منظم نہیں ہیں۔ اگر اہل سنت منظم ہو جائیں تو دیوبندی نجدی بددیانتی نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ جرأت کر سکتے ہیں۔

انفوس کی بات ہے کہ آج اہل سنت میں بھی ایسے فتنہ پرور پیدا ہو رہے ہیں جو دیوبندیوں کو اہل سنت کا گردہ کہنے لگے ہیں۔ مجھے ان کے علم و عقل پر حیرانگی ہوتی ہے کہ جب اکابرین دیوبند نے دار ہاعلیٰ الاعلان کہا ہے کہ ہم دہائی ہیں اور ہمارے عقائد بھی وہاہیوں سے ہیں تو پھر دیوبندیوں کو اہل سنت کہنے یا سمجھنے کا کیا تکلف ہے؟؟؟

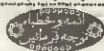
احسانیت سے اپیل

سنی بھائیو! میں آپ سے پرور اپیل کرتا ہوں کہ دقت کی نزاکت کو دیکھیں اور مذہب و ملت کے ناموس کی خاطر منظم طریقہ سے جدوجہد کریں۔ اگر آپ نے دقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے منظم جدوجہد نہ کی تو

۔ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی اور داستانوں میں

اللہ تعالیٰ جل جلالہ ملکوت خدا و پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام شہم نبوت و عظمت مصطفیٰ کے تحفظ کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین! جہاد الزہری لکھنؤ



حضرت علامہ حافظ حسین رمضوی اور حضرت مولانا خان محمد قادری کی تمام انہر و خطبہ سے بہ زور اپیل ہے کہ اپنے خطبہ حمد اور درس میں مسئلہ شہم نبوت اور روایات یا نسبت کو یاد نہ سے زیادہ موضوع باتیں اور امت مسلمہ کے ایمان و اوقیان کو محفوظ رکھنے کے لیے دینی سیاسی اور سماجی محاذوں پر فدا جان ختم نبوت کے شانہ بشان بھر پور جدوجہد کرنا۔

تحریک ختم نبوت 1953ء

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

[illegible]

قیام پاکستان کے بعد 28/2/1948ء کو، گواندار مظلوم ملتان کے بٹے میں جب سید علیہ عباسی نے پاکستان کی تشکیل کی تو آپ اس کے بعد متنبہ ہوئے۔ 1948ء میں شہر میں مجاہدین کے حق خودارادیت کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے ان کے مالی، اخلاقی، جانی اور سیاسی مدد کی اور "غازی شہید" کے لقب سے معروف ہوئے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے سیر میں جب ہوئے۔ اس تحریک میں دیوبندی، اہل سنت اور شیعہ نے آپ کی قیادت میں بھرپور اور اتحاد کیا۔ اس تحریک میں آپ بہت بڑے اہل علم و عمل تھے، مولانا عظیم الشان اور مولانا کوثر الحسنی کی سرانجام دہی تھی۔ جب آپ کو سراسر اخبار کو سب سے سخت پکارا گئے محمد رفیع اللہ، محمد خاں نے ہر ایک معمولی سے فیصلہ فرمایا۔

حضرت سید ابوالحسنات کو نہاد فاضل و عالم و متبحر حاصل تھا۔ آپ نابالغ تک پہنچنے کے ساتھ ساتھ حدیث میں بھی شہرہ آفاق تھے۔ حضرت سید ابوالحسنات (رحمۃ اللہ علیہ) نے تجربہ کشف السجود اور نور فی ظلم الثوب کی یادگار بھی رقم کی۔ انھیں حمایت الاسلام کے جلسہ میں علامہ احمد اقبال اہل قادیان کے قادیان شاعر نے آپ کی یادگار بھی رقم کی۔ علامہ اقبال نے آپ کی ایک غزل کو، جذباتِ دافقہ کے عنوان سے اپنی نظم میں دیوانِ دافقہ، مسدس، خافہ اور خمس خافہ آپ کی یادگار میں۔ حضرت کے عظیم رہنما کا وصال 2 شعبان 1380ھ 20 جنوری 1961ء بروز جمعہ کو، حجاز اقدس قادیان و اربلا ہوا جو تاریخ ہے۔

درج ذیل تقریر میں ملاسہ اہل انصاف نے فریک فسم نبوت 1953ء کا پس منظر، مطالبات اور حکومتی کاربین سے گفت و شنید کے متعلق گفتگو کی ہے۔ 1953ء کی تحریک کے مطالبات اور اس پر حکومتی مائل ممول کو سمجھنے کے لیے اس ہارنگی جان کا ایک ایک جملہ یادگار رہے۔ ملاحظہ فرمائیں

العاقب

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده، أما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، أما كان محمدنا هذا أحد من رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم النبيين، وكان الله بكل شئ عليهما صديقاً، الله العظيم .

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت ما کان محمد ابدا احد من
رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین تلاوت کی ہے۔ اس آیت کی تلاوت اس لیے کی
ہے کیونکہ آج سے کچھ ماہ پیشتر اس خطباتی میں ”قسم نبوت“ کا نام لینا جرمِ قتل قرار دیا گیا تھا اور اس
جرم کی پاداش میں کئی فرزندانِ توحید اور جانثارانِ شیعہ رسالت ﷺ کی کوششوں میں بند کیا گیا
تھا۔ میں نے اس آیت کو پڑھ کر ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ حضرات ہمارے کراچی جانے اور واپس آنے کے حالات سننے کے لیے بے تاب ہیں۔ مسلمان فخر الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر جان قربان کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ”مولوی“ حضرات اسی پیش پیش نہیں بلکہ میرے نزدیک تو پنجابی اصطلاح میں جنہیں ”سائے اور ماہے“ کہا جاتا ہے وہ شاید حضرت محمد ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر سب سے زیادہ قربانی کر جائیں۔ اس معاملہ میں بڑے کھلم کھلا آدمی کی طرح اگر گھر کی پالیسی ٹھیک نہیں۔ جب تا حد آخر ختم نبوت پر کوئی گستاخانہ حملہ ہو تو مشتق و محبت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ

ہے خطر کو دیکھتے آتش نمرود میں مسیق

اگر آج یہاں انگریز کی حکمرانی ہوتی تو اس سلسلہ میں ہمارا جو قدم اٹھاتا وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا۔ چونکہ آج حکومت کے عہدیدار ہمارے اپنے ہیں آج مسند اقتدار پر وہ لوگ براہِ جان ہیں جو مکید خضر کے کہیں نہ پھٹتے۔ کام لیوا اور وہ لوگ ہیں جو محمد رفیعؒ کے پیرایان رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے مقابلے میں ہمیں حق کر دہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ہم یہ چاہتی، اضطراب اور نینان پھیلنا اگر ان کے

ہر ایک نہیں بیدار کرنا نہیں چاہتے لیکن ہم یہ بھی برواشت نہیں کر سکتے کہ ایک اسلامی ملک کے خارجہ معاملات ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دیے جائیں جو محمد علی جناحؒ کا باغی اور ملک و ملت کا دشمن ہو۔ جس کی وقار و ارباب پاکستان کے بجائے ہندوستان سے وابستہ ہوں اور جو قادیان کی وساطت سے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے مسلمانان پاکستان کا خون کمرہا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ارباب اقتدار حقیقت کو سمجھیں اور خطرہ کو محسوس کریں۔

یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مرزا نایت کے خلاف تحریک صرف لاہور، ملتان اور لاسکیر (فیصل آباد) میں ہے۔ ارباب حکومت کا نکل کر سن لیں کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور ظفر اللہ کی علیحدگی کا مطالبہ پورے پاکستان کا مطالبہ ہے۔ کراچی میں اول تو ہمیں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لیے کئی روز تک انتظار کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے "باریابی" نصیب ہوئی۔ وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران مرزا نایت کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی گئی اور مرزائی ذریعہ خارجہ سر ظفر اللہ خان کے "کارناموں" پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ ہمارے وزیر خارجہ نے "جو ناگزیر" کے معاملہ میں وکالت کی تو اس میں مکمل طور پر کامیابی نصیب ہوئی اور آج جو ناگزیر ایک اچھے برابر ہم سے جدا نہیں۔ حیدر آباد تو ہمارے لیے ایسا ہے جیسے لاہور سے ماؤں ناؤں کہ جب جاؤں آئیں اور جائیں۔ کشمیر کو تو ایسا ہے کہ ویا کہ آج کشمیر کی علیحدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا و دتو ہمارا ہی ہے۔ (حضرت اقدس نے یہ طعنے جملے یوں ارشاد فرمائے کہ مجمع شکت و عزمان بن گیا)

ہم نے وزیر اعظم صاحب سے کہہ دیا ہے کہ اب مسلمان زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکیں گے۔ پانچ سال انہی پر بیٹھائیوں میں گزر گئے اور ہمیں یوں "فرخا" جا رہا ہے۔ ہم جب مرزائیوں اور مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کا ذکر کر رہے تھے تو خواجہ صاحب نہایت خاموشی کے ساتھ ہماری محرومات سننے رہے۔ بعد میں ہمیں فرمایا کہ میں نے مفصل حالات سن لیے ہیں۔ میں بھی مسلمان ہوں اور یہ ریاست بھی اسلامی ریاست ہے میں کسی مناسب وقت میں اس کا جواب دوں گا۔

اس کے بعد ہم نے کابینہ کے دوسرے وزراء سے ملاقاتیں بھی کیں۔ ہم کراچی سے مطمئن ہو کر انہیں آئے ہیں لیکن اس اطمینان کو حقیقت اسی صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب آپ حضرات (کل جماعتی) مجلس عمل پر مکمل اعتماد رکھتے ہوئے اس کی ہدایت پر عمل کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے منظم ہو کر مجلس عمل کی ہدایت پر عمل کیا تو ہم اپنے مطالبات میں بہت جلد کامیاب ہوں گے۔

جہاں تک مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا تعلق ہے اس کا مطالبہ جب وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ آپ درست فرماتے ہیں لیکن یہ معاملہ دستور سازی سے متعلق ہے اور مجلس دستور سازی اس کا فیصلہ کرے گی۔ ہم نے سوال کیا کہ اس مسئلے میں آپ کے روش کیا ہوگی؟ تو وزیر اعظم نے جواب دیا کہ میں پارٹی لیڈر کی حیثیت سے اس موقع پر کچھ نہیں کہہ سکتا جب یہ معاملہ دستور میں جائے گا اس وقت اسی پر کچھ عرض کروں گا۔

جب ہم نے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا کہ مرزائی پاکستان کی کلیدی آسامیوں پر قابض ہو کر ملک کو لوٹ رہے ہیں اور مسلمانان پاکستان کا حق غصب کر رہے ہیں۔ اسی طرح حکومت نے ربوہ میں مرزائیوں کا اوڈھ قائم کر دیا ہے اور وہاں مرزائیوں کو کڑیوں کے مول قیمتی زمین دے دی گئی ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ معاملہ صوبائی حکومت سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں وہی کوئی قدم اٹھا سکتی ہے۔

ہم نے جب سوال کیا کہ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان اپنے عہدہ سے ناجائز اٹھا کر اپنے ماتحت عمائد کو مرتد بنا رہا ہے تو خواجہ صاحب نے کہا کہ حکومت پاکستان میں کوئی سیکرٹری یا ایڈر سیکرٹری مرزائی نہیں۔ ہم نے وزیر اعظم کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ ایک ایڈر سیکرٹری جو پہلے ایک اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اب وہ اپنی ترقی اور روزی خرابی کی خوشنودی کی خاطر وائزر اسلام کو چھوڑ کر مرزائی بن گیا ہے۔ یہ بات سن کر وزیر اعظم نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔

جہاں حکومت تک پیغام پہنچانے کا تعلق تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔ اب عوام کا فرض ہے کہ وہ ان مرزائیوں کی فہرستیں مرتب کرے جنہوں نے مختلف چیزیں ہڑپ کر رکھی ہیں اور مہاجرین کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔

ہم نے جب ایک وزیر سے ملاقات کی اور مرزائیت سے انہیں مطلع کرنا چاہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میرے باپ نے مجھے مذہبی تعلیم سے بے بہرہ رکھا ہے اور مجھے اس مسئلہ سے کوئی واقفیت نہیں“۔ تو ہم اس کی یہ بات سن کر کچے کچے رہ گئے۔

آپ شاید بھول گئے ہوں لیکن مجھے اپنے وہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں جو میں نے اس باغ میں ایک چھوٹے سے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہے تھے۔ وہ میرے دل کی آواز تھی۔ جب مرزائیوں نے مسلمانوں کا مطلقہ بند کر دیا اور مرزائیوں کی چیز و دیتوں کا شکار ہو کر مسلمانوں کا دم گھٹنے لگا مزید یہ کہ مرزائی وزیر خارجہ کو فرار دہ اور پھیلانے کے لیے سرکاری لاؤ لنگس کے ساتھ کراچی کے ایک جلسہ عام میں آدھکے۔

اس وقت شیعہ رسالت کے پروانوں نے صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ پیغمبر عربی ﷺ اور ملک کا باغی ہے۔ اسے مسلمانوں میں تقریر کرنے اور کفر و ارتداد پھیلانے کی اجازت نہ دی جائے اسے روکیے۔ ان مطالبات کے باوجود وزیر خارجہ کو کفر و ارتداد پھیلانے کی اجازت دی گئی۔ جن مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کی تھی انہیں لاشیوں سے پیٹا گیا۔ ان پر اشک آور (آنسو) گیس بھیگی گئی۔ کراچی کے مسلمان بلالہ اٹھنے اور ان کی مظلومیت کا حال دیکھ کر ہمارے سینوں میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ ہم نے کراچی سے واپس آکر مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا اور بعد ازاں ملتان کو پروگرام مرتب کیا گیا۔

ملتان میں کچھ لوگ تو پہلے ہی جام شہادت نوش کر چکے تھے اور ان کے بعد جن لوگوں نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے شہادتیں دی تھیں ملتان پولیس نے انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ان کو غصہ و اذیت

کے تحت گرفتار کر کے باشندگان ملتان میں خوف و ہراس پید کیا گیا۔ تشدد کا یہ پہلو موجودہ حالات میں ٹھیک نہیں ہے۔

آج ہم جن حالات میں گزر رہے ہیں وہ انتہائی نازک حالات اور ایسا خوفناک راستہ ہے کہ اور سے کبھی کسی کا گزر نہیں ہوا ہے۔ آج اگر ٹولیاں، گروہ یا جماعتیں دشمن کو کمزور تصور کر لیں تو یہ سب سے پہلی کمزوری ہے۔ دشمن انگریز کی سیاست کا پلٹا ہوا سرغا ہے جسے انگریز کی منافقانہ سیاسی ضرورتوں نے جنم دیا ہے۔ انگریز کی شاطرانہ چالوں پر ناپنے والے مرزائیت احمد کی ملعون سیاست نے جہاد باسلف کو حرام قرار دیا ہے۔ اس عیار دشمن کے مقابلہ کے لیے ہمیں جذبات سے کام لینے کی بجائے نہایت تدبیر سے کام لینا ہے۔ یہ جذبات کی جنگ نہیں بلکہ چوکھی لڑائی ہے۔

ہماری حکومت بھی آج وہاں پہنچ گئی ہے جہاں سے ہم چلے گئے۔ حکومت کا موجودہ اعلان اس امر کی دلیل ہے کہ ہمارا آغاز سفر در تھا۔ اب حکومت اپنے وعدے کو پورا کرتی ہے یا نہیں اس کا جواب آنے والا وقت دے گا۔ حکومت کے اس اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزائیوں کی موجودہ صورت حال اور ظفر اللہ کے طرز عمل کو حکومت تیشویش ناک نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ اب ان میں سے کسی نے وہ ظفر اللہ ہو یا کوئی اور اگر ایسے جرم کا ارتکاب کیا اور کھلے بندوں کفر و ارتداد کی تبلیغ کی تو حکومت اس کے خلاف سخت کاروائی کرے گی۔

ہمیں منزل مقصود کو پہنچنے کے لیے پرامن جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ آج قوم میں عجیب قسم کا اشتغال پایا جاتا ہے اور وہ حکومت کے موجودہ طرز عمل سے مطمئن نہیں ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کا کام لڑائی بھڑکے اور قربانی کے بغیر انجام پا جائے تو پھر کسی قربانی کی ضرورت کیا ہے؟ آپ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنا پرامن مطالبہ جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ حکومت ہمارے تمام مطالبات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے گی۔

خدا فرمادے اور اللہ عزوجل رحمہ اللہ

میرے والد محترم کا اسم گرامی "اعلیٰ خان" ہے۔ ہم کل چھ بہن ہیں جن میں دو بھائی اور چار بہنیں ہیں۔
☆ ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی؟

● شروع میں تو میرے والدین نے مجھے گاؤں کے سکول میں داخل کر دیا لیکن یہ اذوق قرآن کریم کو یاد کرنے یعنی حفظ کرنے کا تھا۔ خوش قسمتی سے والدین کا مزاج بھی مذہبی تھا اس لیے انہوں نے میرے ذوق و شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے حفظ قرآن کریم کے لیے منتخب کر لیا۔ تاہم قرآن میں نے پہلے ہی گاؤں کی مسجد میں اساتذہ یکے بعد دیگرے شروع کر رکھا تھا۔

عالمیہ جون 1 جولائی 1974ء میں مولانا حافظ غلام محمد صاحب المعروف "استاذ جی" مجھے "جہلم مفتی" قرآن کریم کے لیے جامع مسجد عید گاہ لے آئے۔ استاذ محترم حافظ مولانا غلام محمد صاحب کا شمار "جہلم کے شہرہ آفاق مدرسین" میں ہوتا تھا۔ آپ کا تذکرہ دہرائی دورانیہ قیام پاکستان سے قبل کا تھا۔ یہ روایت منس انسان تھے 20 سال تک ایک محوے پر بیٹھ کر بچوں کو پڑھا دیا اور ساری زندگی ایک کوارٹر میں بسر کر دی۔ جامع مسجد عید گاہ میں حافظ غلام حسین صاحب سے میں نے 12 پارے حفظ کیے۔ بعد میں اہم تمام مقامی ایک مدرسہ "دار العلوم" مشین نمبر 1 میں داخل ہو گئے اور میں نے اپنے بقیہ 18 پارے وہاں حفظ کیے۔ اس واسطے سے اس زمانہ میں مفتی اعجاز الدین خاں علیہ الرحمہ پڑھاتے رہے ہیں۔

یہاں میں دو دلچسپ باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جس وقت میں "جہلم آیا وہ تو مانع تحریک شتم نبوت 1974ء کا تھا۔ قادیانیوں کو فیہر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر مصلحت کے اکابر و علمائین بھر پور کردار ادا کر رہے تھے۔ میری جہلم آمد کے چند روز بعد مفتی نبوت کا انفرنس کا اعلان ہوا جس میں شرکت کے لیے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی بھی آرہے تھے۔ قبلہ نورانی صاحب سے میرا یہ پہلا تعارف تھا۔ حفظ کا طالب ہوا سے کیا معلوم کروانی صاحب کون ہیں؟ خیر کانفرنس کے دن ایک گاڑی آکر دی اور اس میں سے ایک وجہ صورت یعنی ولی آویز مسکراہٹ کے ساتھ باہر تشریف لائی۔ اس شخصیت کی تشریف آوری کے ساتھ ہی لفٹاء "حق و صداقت کی نشانی... شاہ نورانی" شاہ نورانی" کے نعروں سے گونج اٹھی۔ میں فوراً جان گیا کہ "نورانی صاحب" اسی صدیقی شہزادہ کا نام ہے۔ علامہ نورانی کے

انٹرویو



☆ آپ کا آبائی پس منظر کیا ہے؟

● میرا تعلق اعوان برادری سے ہے۔ ایک سرگودھا تہذیب "چکوال" پٹوہار اور میانوالی کے کچھ حصے میں اعوان برادری کی اکثریت ہے۔ اعوان قبیلہ یا برادری کے متعلق کتب میں محفوظ ہے کہ حضرت سلطان محمود غزنوی کے ساتھ کچھ علوی لوگ یہاں آئے اور پھر زمینیں کے ہو کر رہ گئے۔ بعد میں ان کے ہاں اولاد دین ہوئی اور یوں وہ لوگ کئی شاخوں یا حصوں میں بٹ گئے۔ ان علوی لوگوں کی اولادوں یا سلسلوں کو اعوان برادری کی مختلف شاخوں یا حصوں کا نام دیا گیا۔ ان میں اسراہل، اشراہل، گمراہ، چہراہل، اجراہل اور اشراہل وغیرہ شامل ہیں۔ میرا تعلق اعوان برادری کی شاخ "نفرال" سے ہے۔ میرے والد محترم کی پچھوکے پاس ہماری سات بہنوں کا "شجرہ نسب" موجود تھا جو اوٹ زمانہ کا شکار ہو گیا۔

میرے دو سہیل کاروباری تعلق، "مہر شریف" اور "نسیال تعلق" "مٹھ شریف" سے ہے۔ ہمارا آبائی پیشہ زراعت اور کھیتی باڑی ہے۔ الحمد للہ میرے والدین کا رجحان شروع ہی سے دین کی جانب تھا اور اب تک قائم ہے۔

☆ آپ کی پیدائش کب ہوئی اور آپ کل کتنے بہن بھائی ہیں؟

● میری پیدائش 3 ربیع الاول 1386ھ / 22 جون 1966ء بروز بدھ "کٹھکلاں" ایک میں ہوئی۔

ہاں، قصبات میں موجود تھیں۔ پچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ ان میں علامہ عبداللطیف الازہریؒ (رحمۃ اللہ علیہ) اور ذیاد پورہ فیوٹر سٹار فریڈ ایچ شامل ہیں۔

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک دن جامع مسجد عبد گامیہ میں عشاء کی نماز کا جماعت میں جب لوگ سجدے میں گئے تو میں بھی سجدے میں چلا گیا اور جو نوے دن بھر تحریک کے دوران سنا اسے سجدے کی حالت میں جا کر لوہی آواز سے کہنے لگا گیا کہ "مرزا کا نا کا فر ہے" مرزا کا نا کا فر ہے۔ "بعد از ملازکی لوگ گھبرا گئے اور پریشانی کے عالم میں میری طرف متوجہ ہوئے تو میں بلی بھر میں ان کی آنکھوں سے او بھل ہو گیا۔

☆ حفظ کی تکمیل کے بعد کیا فضل اختیار کیا؟

● 1978ء میں قرآن کریم کے حفظ کے بعد استاذ محترم نے "تجوید" سیکھنے کے لیے ویڈیو بھیج دیا۔ یہاں میں نے ٹی بزرگان، دینی کی زیارت کی۔ ان میں استاذ اعلیٰ استاذ محترم مولانا عطا محمد صاحب بدایونی سر فہرست ہیں۔ حضرت استاذ محترم جب بھی شریف لاتے آپ کا ستر بندہ ہمیشہ ساتھ ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ کا حکمرانی اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقیؒ اور چاند پط حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہ کئی مرتبہ شریف لاتے۔ حضرت شیخ الاسلام تو جب بھی اسلام آباد کا سفر اختیار فرماتے راستے میں یہاں سے گزرتے ہوئے چند لحاظ ضرور رعایت فرماتے۔ ہمارے سالانہ جلسہ دستار بندی میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمہ شریف لاتے۔

☆ درس نظامی کی جامع توجہ کیسے ہوئی اور جامعہ نظامیہ کیسے پہنچے؟

● حفظ اور تجوید کے بعد میں نے درس نظامی کرنے کا فیصلہ کیا۔ درس نظامی کے لیے میں نے دو تین جگہوں کا سنا تھا۔ ان میں سے ایک درسدہ والں پتھر ان سیالوی کا تھا اور دوسرا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور تھا۔ میں نے اپنا چھوٹا سا کبس اٹھایا اور بس اسٹینڈ کی طرف چل پڑا۔ بس اسٹینڈ پر میں نے رب الغلین سے رہنمائی کی دعا کی کہ یا اللہ جس شہر کا میرے حق میں بہتر ہے اس کی بس آجائے یعنی سیالوی کا یا بہتر ہے تو اس کی بس آجائے اور لاہور کا بہتر ہو تو لاہور کی بس آجائے۔ اسی دوران ایک بس آگئی جس میں سے آواز لگائی گئی لاہور لاہور لاہور۔ چنانچہ میں لاہور کی بس پر سوار ہو گیا۔

اب لاہور میں پہنچ گیا لیکن یہاں میرا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ ہمارے علاقے کے قاری منظور حسین کے جاننے والے قاری علاؤ الدین مجددی یہاں میں پڑھاتے ہیں۔ مغرب کی اذان کے قریب میں لاہور پہنچ گیا اور پوچھتا پوچھتا مجددی یہاں پہنچ گیا۔ وہاں میں قاری علاؤ الدین کو ملا اور وہ مجھے قاری منظور حسین کے پاس لے گئے۔ قاری صاحب کے پاس پہنچ کر میں نے تمام باہرا بیان کر دیا۔ اگلے دن وہ مجھے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور لاہور لے گئے۔

جامعہ نظامیہ کے ناظم تعلیمات "استاذ محترم جامع الصغریٰ والاعظمی مولانا حافظ عبدالستار سعیدی نے دانش کے با بابت دُعا دہا تیں پوچھیں جن کا میں نے جواب دیا۔ جامعہ میں مجھے پہلے سال میں داخلہ دل گیا لیکن مشکل پیش آئی کہ جامعہ میں رہائش نہیں ملی۔ یہ نصف برس تک تو میں اپنا سنا کرہ نمبر 21 میں رکھتا اور سوتے وقت ہاں میں جس جگہ موقع ملتا بستر لگا کر لیٹ جاتا۔ جس برسیاں آئیں تو میں نے مؤذن قاری عبدالرحمن صاحب عرف لالہ سے سجدہ میں صرف رات گزارنے کی درخواست کی۔ میں ان کا احسان آج تک نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے مجھ میں رات گزارنے کی اجازت دے دی۔ آخر کار مجھے سال کے آخر میں جامعہ کے کمرہ نمبر 20 میں رہائش کی جگہ دے دی گئی۔

☆ جامعہ میں کن اساتذہ سے کسب فیض کیا؟

● استاذ محترم مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی عبداللطیف نقشبندیؒ، حضرت علامہ مولانا محمد رشید نقشبندیؒ، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالکام شریف قادریؒ، حضرت علامہ مولانا حافظ عبدالستار سعیدیؒ، حضرت علامہ مولانا محمد صدیق ہزارویؒ وغیرہ۔

☆ دورہ حدیث شریف اور دستار بندی کب ہوئی؟

● 1988ء میں دورہ حدیث شریف کیا۔ مفتی صاحب سے ترمذی شریف، علامہ شرف صاحب سے بخاری شریف اور مفتی عبداللطیف نقشبندیؒ محدوی سے مسلم شریف اور ابو داؤد و شریف و ترمذی و تہجدی۔ اسی سال دستار فضیلت ہوئی اور سالانہ جلسے میں شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا غلام رسول رضوی اور مفتی محمد حسین نعیمی شریف لاتے۔

ہو کس استاذ کے اعزاز میں تدریس سے متاثر ہوئے؟

● میرے تمام اساتذہ نور علی نور تھے اور میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیم ہزاروی علیہ الرحمہ کو استاذ الا ساتذہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تدریسی ملک نہایت فرمایا کہ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سرور احمد چشتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات کے بعد تفریحاً سب سے زیادہ مدرسین تیار کیے۔ آپ دوران تدریس کی بھی طالب علم میں چاہے وہ کتنا ہی غبی کیوں نہ ہو احساس کتری پیدا نہیں ہونے دیتے تھے اور طلباء کو ہمیشہ اپنا مورال بلند رکھنے کی تلقین فرماتے اور ایسی حکیمانہ گفتگو فرماتے تھے کہ طالب علم ان کا اقتدار و اعتماد دیکھتا کہ وہ ہر میدان میں کام کرنے کے صلاحیت رکھتا ہے۔ استاذ محترم مولانا محمد رشید نقشبندی علیہ الرحمہ کا انداز تدریس سب سے جدا اور نرا لگتا۔ استاذ گرامی علامہ محمد عبد القیم شرف قادری علیہ الرحمہ دوران تدریس احسان نیاں کا جو درس دیتے وہ آپ ہی کا خاصا تھا۔ استاذ محترم قلم حافظ صاحب کا انداز تدریس نہایت عام ہے۔ مشکل سے مشکل بات آسان الفاظ میں بیان کرنا آپ کا خاصا ہے۔ استاذ محترم مولانا محمد صدیق ہزاری کا انداز تدریس انتہائی سہل ہے۔ مشکل سے مشکل اصطلاح کو آسان الفاظ میں بیان کرنے کا خاصہ فراموش نہیں ہے۔

مجاہد اسلام استاذ محترم مولانا محمد رشید صاحب مجھ پر خاص شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ 2 سال میں نے استاذ محترم کی خدمت کی۔ استاذ محترم مجھے عشاء کی نماز کے بعد کنز الدقائق خصوصی طور پر پڑھاتے تھے۔

یادگار اسلاف علامہ محمد عبد القیم شرف قادری ہمیں روزانہ ایک شعر قصیدہ بردہ شریف پڑھاتے تھے۔ میں نے اسی برکت سے پورا قصیدہ شریف زبانی یاد کر لیا۔ استاذ محترم کو جب علم ہوا تو انہوں نے مجھے "قصیدہ بردہ شریف" بطور انعام دیا۔

☆ دورہ حدیث شریف کے ساتھی؟

● مولانا ذکریہ فضل حناں سیدی، مولانا شبیر احمد سیدی، مولانا رفیع اللہ مولانا شبیر احمد قادری وغیرہ۔

☆ نماز تراویح میں قرآن حکیم کب سے شہرے ہیں؟

● الحمد للہ 1978ء سے اس وقت تک ہر سال نماز تراویح میں قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بوسیلہ نبی کریم ﷺ دعا ہے کہ تادم واپسی کی سعادت ملتی رہے۔

☆ تقنی تصنیفات مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ ہیں؟

● "علم خرف" میں تین کتابیں تیسیر ابواب الصرف (512 صفحات)، تعلیمات خادمہ مفصل (680 صفحات) اور تعلیمات خادمہ مختصر (408 صفحات) مطبوعہ ہیں۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی ترغیب پر میں نے قادی زرقیہ پر کچھ کام کیا جسے مفتی صاحب نے پسند فرماتے ہوئے قادی زرقیہ کی جدید اشاعت کی پہلی جلد کے شروع میں لگا دیا۔ اس مقالے کا عنوان "اعلیٰ حضرت برجیت مرجع اعلماء" ہے۔ مفتی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اس مقالے میں مزید تفصیلات جمع کر دو۔ میں نے مفتی صاحب کے حکم پر کام کرتے ہوئے اس مختصر مقالے کو جامع کرتے ہوئے تقریباً 700 صفحات تیار کیے۔ اس مقالے میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے فتویٰ پوچھنے والے شخص کا نام ہے اور جواب کی نوعیت مختصر الفاظ میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ فتویٰ کس زبان میں ہے اور اس کی کیا نوعیت ہے۔ اگر اللہ رب العزت کو منظور ہو تو یہ مقالہ جلد منظر عام پر آئے گا۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے سونے لکھے گئے مقالہ جات مضامین بھی ہیں۔

☆ فراغت کے بعد مصروفیات کیا تھیں؟

● فراغت کے بعد میں نے ایک سال چھپ کر گزارا۔ میں نے کہا مجھے پڑھانا نہیں ہے اس پر مفتی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے نہیں پڑھانا تو تمہیں پڑے گا۔ میں نے اسرار کیا کہ میں نہیں پڑھا سکتا تو مفتی صاحب زور دے کر فرماتے تھے تم نے بھی تو تمہیں پڑھانا ہے بلکہ تمہیں بھی پڑھانا پڑے گا..... آخر کار قلمبند مفتی صاحب کی ترغیب پر میں تدریس کے لیے تیار ہو گیا۔

☆ محکمہ اوقاف سے تعلق کب ہوا؟

● میرا اوقاف سے تعلق 1993ء سے ہے۔ 4 اکتوبر 1993ء بروز جمعہ میری تقرری بطور امام و خطیب صاحب کالوں والے دارالمرجرات میں ہوئی۔ تقرری کی مختصر روداد یہ ہے کہ ایک دن حضرت مولانا افضل

”ہاں اور میں پڑھا کر جامعہ کے گیسٹ سے باہر نکلے تو مولانا مجھے فرمانے لگے کہ آپ نے اوقاف میں تقرری کی درخواست دے رکھی ہے تو چلو اوشاہی مسجد میں انٹرویو ہورہا ہے وہاں جلتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو میرا نام گزر چکا تھا۔ عرض کی بات یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس تعلیمی اسناد بھی نہیں تھیں۔ بعد میں ایک طالب علم کو میں نے اسناد لینے کے لیے بھیجا تو وہ مغرب کے قریب واپس آیا۔ اس وقت انٹرویو کا بالکل آخری وقت تھا اور ایک دو امیدوار رہ گئے تھے۔

انٹرویو لینے والوں میں قاضی امرا الحق راو پلنڈی والے اور مولانا منصور احمد قادری سابق خلیفہ و بار حضرت داماد گنج بخش علیہ الرحمہ لاہور شامل تھے۔ جب میری باری آئی تو انہوں نے پچلتے پچلتے مجھ سے پوچھا ”روٹی“ کون سا صیغہ ہے؟ اس کے بعد انہوں نے نحو کے متعلق ایک سوال کیا جس کا میں نے جواب دے دیا۔ اس انٹرویو سے میں مکمل طور پر کامیابی کے لیے پرامید تھا لیکن جب تقرریاں کی گئیں تو وہ انتہائی افسوس ناک تھیں۔ جولا کے مجھ سے صرف پڑھتے ہوئے بھاگے تھے انٹرویو میں ان کے نمبر مجھ سے زیادہ تھے اور میرے کم اسی بناء پر میری تقرری لاہور سے باہر کر دی گئی۔

اس ساری صورتحال کو جب میں نے قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا نوکری کر کے کیا کرو گے؟ میں نے عرض کی کہ آپ کی تربیت کے تصدیق سے کسی کے نوکری نہیں بنیں گے۔ جب میں نے استاذ محترم مولانا محمد رشید صاحب سے مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس تقرری کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ اوقاف کسی کے باپ کی جاکیر نہیں۔ میں مفتی صاحب کے پاس حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ کم از کم اوقاف کے ذمہ داروں سے اتنا تو پوچھیں کہ استاذ کے نمبر کم ہیں اور جولا کے اس سے پڑھتے ہوئے بھاگے ہیں ان کے نمبر زیادہ کیسے ہیں اور ان کی تقرری لاہور میں کیسے ہوئی ہے؟ مفتی صاحب نے جب یہ بات اوقاف کے ذمہ داروں سے کی تو ان کے سامان خطا ہو گئے۔ انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے میرا اتنا دلہا اور گروہ لایا۔ لاہور میں میری تقرری حضرت شاہ ابوالعالی علیہ الرحمہ کے دربار سے مفتی مسجد میں ہوئی اور 7 نومبر کو میں نے یہاں باقاعدہ امامت کی اور پہلی نماز جمعہ 12 نومبر کو پڑھائی۔

یہاں رہائش کے لیے مستقل جگہ نہیں تھی۔ ایک ہی کمرہ تھا وہ بھی انتہائی ناگفتہ بہ حالت کا۔ مسجد میں ہی

طہرنا اور وہیں قیام وقت گزارنا۔ یہاں زندہ کو کوئی پانی پوچھتا اور نہ ہی روٹی۔ آمدورفت کا یہ عالم تھا کہ گرمی ہو یا سردی روزانہ جامعہ نظامیہ سے پیدل مسجد آتا تھا۔ 8 سال تک یہی معمول رہا تا وقتیکہ دو بار حضرت پیر کی علیہ الرحمہ سے مفتی مسجد میں میری تقرری کر دی گئی۔

تجربات تقرری کے وقت اہلسنت میں ایک بہت بڑا الیہ شاہدے میں آیا کہ دو بار سے مفتی مسجد میں پانچوں وقت نماز میں شمولیت کے لیے کوئی نہیں آیا۔ یہ صرف پہلی بار خاص نہیں بلکہ آج بھی کئی جگہوں پر ایسی ہی صورتحال ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

● اوقاف کی ملازمت کے دوران کبھی حکومت کی جانب سے دباؤ کا سامنا ہوا؟

● دباؤ تو آتا رہتا ہے لیکن الحمد للہ میں نے کبھی حکومتی دباؤ کو خاطر میں نہیں لایا۔ مسجد و بارشاہ ابوالعالی علیہ الرحمہ میں حکومت نے زہم دیا کہ آپ نے افغانستان پر امریکی حملے کے خلاف دیا جہاد کے متعلق تقریریں کرنی البتہ حج کے موضوع پر تقریر کی اجازت ہے۔ میں نے اس حکم سے کور کر دیا جس کی پاداش میں مجھے 4 ماہ کی جمنی پر بھیج دیا گیا۔ بعد میں قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی کوششوں سے مسجد و بار پیر کی علیہ الرحمہ بحالی ہوئی۔

● جہاد کے موضوع پر ہی آپ نے اصرار کیا؟

● اس لیے کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حالات کے مطابق ہی فیصلے فرمائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ آپ لشکر اسلام مت بھیجیں مگر آپ نے فرمایا کہ لشکر اسلام ضرور بھیجنا ہے اور اسی انداز میں بھیجتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ترتیب دیا تھا۔ اب حالات کا تقاضا تھا کہ لشکر اسلام نہ بھیجا جاتا قیادت تبدیل کر دی جائی لیکن مسلمانوں کے امیر المؤمنین نے مسلمانوں کو سبق دیا کہ اگرچہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ حق کا ساتھ دینا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں کہ ملحق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب کلمہ حق کیا بند کرے؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ ہر شخص جس عہدے و مقام پر فائز ہے اس پر وہ کرکھ حق کہے۔ اب اُس وقت حالات کے مطابق میں منبر رسول ﷺ پر فائز ہو کر کلمہ حق ہی کہتا تو کیا کہتا؟ اُس وقت حالات کا تقاضا ہی امت مسلمہ میں روح جہاد کو بیدار کرنے اور کفر اور

اہل لہری مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو پشت از ہام کرتا تھا۔
☆ اسلامی جہاد کیا ہے؟

● ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ اسلامی جہاد کی رسول اللہ ﷺ نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ یہ ایسا جہاد ہے جو صرف اس لیے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو۔ جو لڑائی ذاتی منصب، عہدے، پیسے، قوم، زمین یا علاقے کے لیے لڑی جائے وہ اسلامی جہاد کے منافی ہے۔

☆ آپ کی نظر میں اس وقت امت مسلمہ کے جہاد سے ڈوری کے کیا اسباب ہیں؟

● جہاد سے ڈوری کے اسباب تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرما دیے ہیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض لوگ بعض لوگوں کو ہمیں ہلاک کرنے کے لیے اس طرح بلائیں گے جس طرح بھوکے آدمیوں کو کھانے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی کیا وجہ ہوگی؟ کیا اس وقت ہم قیل ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن تمہاری حیثیت اس جہاد کی مانند ہوگی جو پانی کے اوپر ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا نبی اللہ اس کی کیا وجہ ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اندر ”وہن“ پیدا ہو جائے گا اور وہ بن سے مراد ﴿حَسْبُ الدُّنْيَا وَكُوَاهِبَةُ الصَّوْتِ﴾ ہے یعنی دنیا سے پیار ہو گا اور موت سے نفرت۔ آج بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی دو وجہیں ہیں جن کی وجہ سے امت مسلمہ پستی کی طرف جاتی دکھائی دے رہی ہے۔ بقول اقبال

کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
 کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر
 ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
 سکھاتی نہیں مسلمان کو غلامی کے آداب

پوچھتا ہوں میں شیخ کلیسا نواز سے
 مغرب میں جنگ شر ہے تو مشرق میں بھی ہے شر
 حق سے اگر غرض ہے تو کیا زیبا ہے یہ بات
 اسلام کا محاسب یورپ سے درگزر

گھر بیٹھے بیٹھے جس کی ناگھنیں کانپ رہی ہیں اس نے کیا جہاد کرنا ہے؟ جہاد تو ایک مقدس فریضہ ہے جسے قیامت تک جاری رہنا ہے۔ ابو داؤد شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تین چیزیں اصل ایمان ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب سے اللہ رب العالمین نے مجھے مبعوث فرمایا (یعنی جب سے حکم جہاد نازل ہوا) اس وقت سے قیامت کی صبح تک جہاد جاری رہے گا حتیٰ کہ کسی عادل کا مدد اور عالم کا ظلم بھی اسے ختم نہیں کر سکے گا نیز میرا آخری اسمیٰ دجال ہے جہاد کرے گا۔ مرزا قادیانی کو بھی انگریزوں نے اسی لیے ہالا تھا کہ وہ جہاد کا حکم منسوخ کرے اور ہم ساری زندگی پر بیخبر یہ حکومت کر سکیں۔ انگریز حاکم ہوا اور مسلمان بگوم۔

☆ روحانی تعلق کب اور کس سے قائم کیا؟

● یوں تو میرا روحانی تعلق 1974ء سے دربار عالیہ ”کالا دیو شریف“ جہلم سے ہے لیکن ہا قاعدہ بیت میر طریقت حضرت قبلہ خیر محمد بن عبد الوہاب صاحب المعروف حضرت حالی جیر صاحب سے 1988ء میں ہوا۔

☆ کالا دیو شریف، جہلم میں بیعت کی کوئی خاص وجہ؟

● جہلم میں زائد طالب علمی کے دوران ہم کرائے پر سائیکل لے کر بڑے حضرت صاحب کی مجلس مبارکہ میں حاضری دیتے تھے۔ جب لاہور آگیا تو رمضان المبارک میں اپنے حفظ کے دوست مولانا مختار احمد صدیقی علیہ الرحمہ کے پاس جہلم آکر قرآن کریم تراویح میں سنا تا۔ بعد ازاں تراویح مولانا مختار احمد اور میں حضرت خواجہ سلمان پاری علیہ الرحمہ کے دربارہ حاضری دیتے اور یہاں میں روزانہ قصیدہ ہرودش شریف زبانہ پڑھتا تھا۔ اس مزار شریف پر میں نے اپنی بیعت کے سلسلہ میں اپنی رہنمائی کی دعا لگی تھی جس کے نتیجے میں کالا دیو شریف بیت ہوا۔

ہذا ہی سیاسی میدان میں کس سے زیادہ متاثر ہیں؟

● مذہبی میدان میں استاذ مکرم حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ اور سہ میدان میں قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صاحب دینی علیہ الرحمہ۔

ہذا حرمین شریفین میں حاضری کب ہوئی؟

● 1988ء میں حج کے لیے اور 2001ء میں عمرہ کے لیے حاضری نصیب ہوئی۔

☆ شادی کب ہوئی؟

● شادی 1992ء میں اپنے ہی خاندان میں ہوئی۔

☆ شادی کا انداز کیا تھا؟

● شادی سادگی سے ہوئی لیکن سادگی کا یہ معنی نہیں کہ کسی کو بلا یا ہی نہیں بلکہ ہمارے ہاں کھانے پینے کا جو رواج ہے اسے ملحوظ خاطر رکھا۔ دوسرے دن میرے حضرت قبلہ میر صاحب وامت برکاتہم العالیہ بھی بنفس نفیس تشریف لائے تھے۔

☆ بچے کتنے ہیں؟

● چھ۔ دو بیٹے اور چار بیٹیاں۔ بڑے بیٹے کا نام محمد سعد اور چھوٹے بیٹے کا نام محمد اس ہے۔

☆ حالیہ سفر شام میں شادی لوگوں کو کیسا پایا؟

● سفر شام کا بنیادی مقصد اکابر امت کے مزارات پر حاضری تھی۔ سرزمین شام میں ان گنت ہتیاں آرام پذیر ہیں۔ یہاں کے لوگ نہایت ہی محبت کرنے والے، لطیف اور منہدار ہیں۔ سفر شام میں وہاں کے علماء و مشائخ کی اس پالیسی سے بہت متاثر ہوا ہوں کہ وہ لوگ خوش و خرم کی تقاریب میں اپنی عوام کے ساتھ ان میں موجود ہوتے ہیں۔ ان علماء و مشائخ کا کہنا ہے کہ یہاں پر یورپ کی یلغار ہے اور اگر ہم نے اس موقع پر بھی ان لوگوں کو تنہا چھوڑ دیا تو اہل شام کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

☆ کون سا ترجمہ قرآن اسلامی درج کے عین مطابق ہے؟

● اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے بڑھ کر کس کا ترجمہ ہوگا؟؟؟

یہی کہتی ہے بلبل ہارے جہاں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں نہیں بند میں واصل شاہ بدی مجھے شوخی طبع رضا کی قسم اس اول بھی یہی ہے اور آخر بھی یہی ہے۔

☆ قرآن فنی کے لیے کون سی عربی و اردو تفسیر معاون ہیں؟

● تفسیر مظہری تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں عشق و محبت کا بیان ہے اس کے علاوہ تفسیر قرطبی تفسیر خازن معاون ہے۔

☆ علم حدیث میں کس شرح نے زیادہ متاثر کیا ہے؟

● مجھے علم حدیث میں علامہ طاعنی قاری کی لکھی ہوئی مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ نے بہت متاثر کیا ہے۔

☆ پسندیدہ موضوع کو کتنا ہے؟

● علمی اہل علم و اسلام کی سیرت طیبہ و تقوا اور تصوف۔ سیرت مبارکہ میں امام محمد بن یوسف شامی کی تصنیف ارہب سبیل الہدیٰ والرشاد بہت جامع کتاب ہے۔ فقہ میں امام احمد رضا خاں بریلوی کا فتاویٰ رضویہ تریب لا جواب ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف آپ کے اس شعر کا مظہر ہے۔

نظم در نوش و نیش جامع مسلم
نے کافر زبور کہ نیش بے نوش

☆ حضرت اس شعر میں فرماتے ہیں کہ میں شہد کی وہ بھی ہوں جس کے ذبح اور شہد دونوں کا جواب نہیں۔ تصوف میں کشف المحجوب رسالہ تفسیری، مکتوبات امام ربانی، کتاب المنع اور رسائل توکل ماہ اہلبالوی کی زندگی پر لکھی گئی کتاب ”صفیہ محبوب“ کا جواب تصانیف ہیں۔ صحیفہ محبوب میں اس قدر باوقیت ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ صاحب کتاب حضرت سائیں توکل شاہ اہلبالوی بنفس نفیس تشریف فرما ہیں اور کتاب کے مضامین خود بیان فرما رہے ہیں۔ آج بھی سائیں صاحب کا ام گرامی جنات اور بلاؤں کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے اور میں جب بھی پریشان ہوتا ہوں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرتا ہوں۔

☆ مہاجرینہ للعالمین علیہ السلام میں آپ کی آمد سے قبل انتظامات کیسے تھے؟

● میری آمد سے قبل یہاں دیوبندی تبلیغیوں اور جماعت اسلامی والوں کا اثر و رسوخ تھا۔ مذہبی طور پر اس مسجد کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ نماز کی امامت ویوبندی کروانے یا وہابی اہل حلقہ کو لینے تک نہیں تھے۔ ہم حال طویل جدوجہد کے بعد یہ مسجد دیوبندیوں و مودودیوں کے قبضے سے آزاد کروائی۔

مسجد میں دیوبندی تسلط ختم کروانے کی روداد طویل ہے جس کا یہ انٹرویو مختصر نہیں ہو سکتا لیکن ایک دلچسپ بات یہاں ضرور بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جب مسجد سے تبلیغیوں کو پاک کیا جا رہا تھا تو وہ ہمارے سامنے تسلسل سے ایک بات و ہرا رہے تھے کہ آپ کے بڑے نورانی میاں صاحب تو ہمارے بڑوں سے اتحاد کر رہے ہیں، ایک بورے ہیں تو پھر آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ میں یہ کہہ کر ان کے منہ تو بند کر دیتا کہ نورانی صاحب کا اتحاد سیاسی نوعیت کا ہے لیکن قائدین و علمائین اہلسنت کو یہ بات ضرور مد نظر رکھنی چاہیے کہ ان کے سیاسی اتحاد کوئی اثر نہیں، کھیلنا بھیڑیے، ایمان کے ذاکو کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت کو مستقبل میں ان غیار کے ساتھ اتحاد کرنے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

اہلسنت و جماعت کو یہاں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ بظاہر سیدھے سادھے نظریات کے تبلیغ کی آہ میں مساجد کو اپنا مسکن بنانے والوں نے اپنے مساجد کو محفوظ رکھیں۔ انہیں کبھی بھی اور کسی بھی روپ میں اپنی مساجد میں ہرگز جگہ نہ دیں۔

☆ مسجد سے ملحق مدرسہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعلنات کا افتتاح کب ہوا؟

● اس مدرسہ کا افتتاح 14 مئی 2000ء میں ملحق نظم پاکستان حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کے دست مبارک سے ہوا۔ افتتاحی تقریب میں محسن اہلسنت، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالعظیم شرف قادری جامعہ عقول و اہل عقل، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالستار سعیدی اور دیگر اکابر تشریف لائے۔

☆ کتنی طالبات اس وقت تک فارغ التحصیل ہو چکی ہیں اور کتنی ذریعہ تعلیم ہیں؟

● تقریباً سو اس کے قریب طالبات اپنی تعلیم مکمل کر چکی ہیں اور ایک سو کے قریب اس وقت ڈیڑھ 'حفظ' تجویذ اور درس نظامی میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

☆ شاعری میں کس سے متاثر ہیں؟

● اعلیٰ حضرت کی شاعری سے میں بہت متاثر ہوں۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا روم، حضرت شیخ سعدی، حضرت حافظ شیرازی اور علامہ اقبال کے اشعار پسند ہیں۔

☆ علامہ اقبال کے نظریات کے متعلق کچھ بتائیں؟

● اقبال کو لوگوں نے صحیح طور پر پڑھائی نہیں ہے۔ اقبال نبی کریم علیہ السلام کی امت کے محسن، مصلح اور مفکر ہیں۔ میرے نزدیک اقبال میں سب سے اہم خوبی محبت رسول علیہ السلام ہے اور محبت بھی اس دور کے ہی جسے ہم فانی الرسول کہتے ہیں۔ لوگ اس کی ظاہری شکل و صورت کو تو دیکھتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ سوسہ کدو کا آدھی ہے۔

☆ بعض لوگ آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ اقبال کو اعلیٰ حضرت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں؟

● قطعاً ایسی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت و جماعت دیوبند و ملت جس مقام پر قائم ہیں علامہ اقبال اس نئی گلی کے کنارے پر ابھی کھڑے ہیں۔ میں اس قابل کا ہرگز قائل نہیں کہ بزرگوں کے درمیان کھینچیں کروائی جائیں اور ہم فیصلہ کریں کہ کون طاقت ور ہے اور کون کمزور۔ ہم میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی دانست میں جج و منصف کی کرسی پر بیٹھ کر فیصلہ کرتا پھرے۔ ہر بزرگ کا اپنا اپنا مقام ہے اور ہم ہر رنگ کو اسی کے مقام پر دانتے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے مقام پر با کمال و سبب خال ہے۔ ویسے بھی ہمارے بزرگان دین و اسلاف کو کون مقابلہ کر سکتا ہے؟؟؟

میں تو میرے عام کہتا ہوں کہ علامہ نے رسول اللہ علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی

زبحر خود بجوے من گہرہ

متاع من کبھ و وشت : دروہ

یعنی یا رسول اللہ علیہ السلام اپنے محبت و رحمت کے سمندر سے میری مدی میں موتی ڈال دیجیے پھر میری اس متاع کو پہاڑوں، صحراؤں اور آبادیوں میں پھیلادجیے۔ پھر آگے مزید عرض گزار ہیں

افراد کو کہنا پڑتا ہے کہ جی اقبال نے کہا ہے تو اب ضرور سوچنا پڑے گا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ

طور موسیٰ از غبارخانہ اش

کعبہ را بیت الحرم کا شانہ اش

یعنی کہئے کا کعبہ حضور ﷺ کا گھر ہے۔ یہ بات امام احمد رضا کے توفیق ہے، بدعت ہے اور دین میں رخنہ

ڈالنے والا ہے اور جب اقبال کے توحید کے یہی طرح اٹلی حضرت نے ایک اور گھر فرمایا

ان کے طفل حج بھی خدا نے کردا دیا

دروہ اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

یہی بات اقبال کہتا ہے کہ

تو فرمودی رہ بطحا مرقم

دگر نہ جز تو مارا منزلی نیست

یعنی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا تو ہم تعبد اللہ چلے گئے مگر نہ ہم نے آپ کے در اقدس کے علاوہ

کہاں جانا تھا؟

میں عام لوگوں کے سامنے علامہ اقبال کی بات اس لیے کرتا ہوں کہ عوام خصوصاً مسٹر طبقے میں وہ حجت

مانے جاتے ہیں۔ لیکن علامہ اقبال تو قیامت کے دن بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے جانے سے گریزاں

ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

در حسابم را تو بنی ناگزیر

از نگاہ مصطفیٰ ﷺ پناہ بگیر

لیکن امام احمد رضا اس دن بھی رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہو کر عشق و محبت کے لئے لوگوں کے

سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

علم کلکود از اس طوقاں کہ داری

مرا شورے ز طوقانے دگر وہ!

یعنی آپ ﷺ سے مجھے جو عشق و محبت پہلے ملا ہے اس سے میرا دل نہیں کھلا لہذا مجھے اور جام چاہئے۔

عوام کو سمجھانے کے لیے عرض ہے کہ اقبال کا تو رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت سے ابھی دل نہیں کھلا اس

لیے اور جام طلب کر رہے ہیں لیکن اٹلی حضرت سر ہو کر اور طلب کر رہے ہیں کہ

دے دے سست جام عشق ساغر بازی خواہد

یعنی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے عشق و محبت میں امام احمد رضا سے لیکن اس کے باوجود ایک اور جام کا

متنی ہے۔ یہ فرق ہے امام احمد رضا اور علامہ اقبال میں کہ علامہ کا دل نہیں کھلا اس لیے مزید مانگ رہے ہیں

جبکہ اٹلی حضرت عشق و محبت میں سست ہیں اور مزید مانگ رہے ہیں۔

علامہ اقبال سے ہماری محبت کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے باوجود غلام ہیں۔

انہوں نے اس طبقے میں اسلام اور عشق و محبت کی بات کی ہے جس طبقے کے لوگ ان چیزوں کو ضعیف

الاعتقادی، چونکہ پہلے ہیں اور انتہا پسندی کہہ کر مسخرہ کر دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے مسٹر طبقے کی آنکھوں

سے یورپ کی عینک اتار کر انہیں عشق و محبت کی عینک پہنا دی۔

ہے زانکہ ملت راحیات از عشق اوست

برگ و ساز کائنات از عشق اوست

روح را جز عشق او آرام نیست

عشق او روز نیست مورا شام نیست

اگر اٹلی حضرت فرمائیں کہ

حاجو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

تو لوگ کہتے ہیں جی کیا کہئے کا کعبہ بھی ہوتا ہے؟ یہی بات جب اقبال کہتا ہے تو مغرب سے مرعوب

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھجیں سب ان کی شکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جان رخت پہ لاکھوں سلام

علامہ اقبالؒ تو رسول اللہ ﷺ سے چپ رہے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا درود سلام پڑھا
چاہتے ہیں۔

☆ خطابت کب اور کیسے شروع کی؟

● 2000ء میں میرے حضرت تلبہ گیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے حکم فرمایا کہ بھائی تقریر کیا
کرنا چاہتے حضرت کے حکم کی تعمیل میں اس وقت سے اب تک اپنا درود لوگوں کے سامنے بیان کیے جا رہا
ہوں۔

☆ آپ کی تقاریر میں تم کرم علیہ السلام سے عشق و محبت کا جو درس ملتا ہے یہ جو آپ کو کہاں سے میسر آئی؟

● یہ جو مجھے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ رضویہ سے ملتی ہے۔ جو صاحب بصیرت فتاویٰ رضویہ
کا مطالعہ کرے اور عشق و محبت کی دولت سے محروم رہے یہ ناممکن ہے۔

ذکر ان کا چھیڑ پیے ہر بات میں
چھیڑنا شیطان کا عادت کیجیے

اعلیٰ حضرت نے یہ شعر صرف شاعرانہ تسلی میں نہیں کہی بلکہ خود اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔

☆ گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف 14 فروری کے تاریخ ساز جلوس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

● 14 فروری کا جلوس اہلسنت کا بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن اسے ہماری قیادت سنبھال نہیں سکی۔ جن لوگوں
کے ہاتھوں میں قیادت تھی وہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے وہ دھک گئے ڈر گئے اور حکومتی وکیلوں میں آ گئے۔
اگر اس وقت وہ سینہ پھر رہے اور 14 فروری کے بعد تین چار سو علماء و مشائخ قربانی دے دیتے اور جلوس
میں چلے جاتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔

☆ اس تحریک میں کن حضرات کی خدمات نمایاں ہیں؟

● بہت سے علماء طلباء اور عوام جیل میں گئے اور حکومتی جبر و استبداد کو برداشت کیا جن میں سرفہرست
حضرت قبلہ علامہ سید محمد عرفان شاہ شہیدیؒ، محترم ڈاکٹر سرفراز احمد نقویؒ صاحبزادہ بیچر محمد محفوظ شہیدیؒ مولانا
رضائے مصطفیٰ نقشبندیؒ اور صاحبزادہ مختار احمد رضویؒ وغیرہ ہیں۔ جس شخصیت نے مجھے متاثر کیا وہ علامہ سید
محمد عرفان شاہ شہیدیؒ ہے۔ اس لیے کہ یہاری وعلائی اور انگلیز کی فحش فحش عیال اور پانڈوں میں رہنے کے
باوجود انہوں نے حقانے اور جیل میں ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے کوئی آدمی کہ شاہ صاحب اپنے آپ کے پر
پچھتا رہے ہیں بلکہ انہوں نے حقانے میں ایسی تقریر کی چند وہ حضرات جو نو خیز تھے اور پچھتا رہے تھے ان
کے حوصلے بھی بلند ہو گئے۔

☆ کو توئی حقانے میں دن کیسے گزرے؟

● بہت اچھے۔ ایک پولیس والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کرم علیہ السلام کی محبت میں میرے ساتھ وہ
حسن سلوک کیا کہ وہ محبت اور عقیدت ہمیشہ کے لیے تعلقات کا باعث بن گئی۔

یہاں میں ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میری پہلی اور دوسری گرفتاری کے دوران اہلسنت کا
نوجوان مجاہد حافظ ممتاز احمد سندھی میرے ساتھ تھا۔ اس نے دونوں بار میرے ساتھ مار کھائی۔ میرے گھر
والے کہتے ہیں کہ آپ اسے ہتھامڑی بڑا بھلا لکھیں لیکن راتو آپ کے ساتھ اسی نے لکھائی ہے۔ ہمارے گھر
میں اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

☆ جیل کے معمولات کے متعلق کچھ بتائیں گے؟

● حقانہ اور جیل میں مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نعت پڑھتے، میں نماز پڑھتا اور علامہ سید محمد عرفان
شاہ شہیدی دس دسے تھے۔ دوران قید شاہ صاحب مجھے 'امام الحسن'، 'ابن قیادہ' امام کہتے تھے۔ شاہ صاحب
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے بڑے گرویدہ ہیں جب صاحبزادہ صاحب نعت پڑھتے تھے تو آپ کی جیب میں
چتے پیسے ہوتے وہ سب صاحبزادہ صاحب کو پیش کر دیتے تھے۔

فدايائين ختم نبوت کی بنیاد رکھ دی اور اس کے کیا محرکات تھے؟

● قیام پاکستان کے چند سال بعد 1953ء اور 1974ء میں جب قادیانی مخالف تحریکیں چلیں تو اس وقت پاپیت فارم کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا استعمال ہوا۔ یہ پاپیت فارم نظائر تو تمام مسالک کی نمائندگی کرتا تھا لیکن درحقیقت دیوبندی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت اس کی پشت پناہ تھی۔ اس پاپیت فارم کی آٹھ سو دیوبندیوں نے مسلمان ختم نبوت کے تحفظ پر اپنی چارہ داری قائم کرنے کی ضمان لی تھی۔

اکابرین اہلسنت خصوصاً علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ کی باریک بین اور دوسرے لوگوں نے جب اس تمام معاملے کو جانچا تو شدت سے اس ضرورت کا احساس محسوس ہونے لگا کہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے سینوں کا ایک ایسا پاپیت فارم تشکیل دیا جائے جس کے تحفظ ختم نبوت کے کوئی پس پرودہ عزائم نہ ہوں۔ قائد اہلسنت نے اس پاپیت فارم کا تنظیم کی تشکیل کی ذمہ داری اپنے معتمد دہریہ پندرہ مئی صوفی ایاز خاں نیاز کی سپرد کی جنہوں نے 1973ء میں انتہائی چالاکانہ شیخی سے مجاہدین ختم نبوت کو اکٹھا کر کے، تنظیم فدايائین ختم نبوت، کی بنیاد رکھی۔ 1995ء میں اس میں نئی درجہ ڈالنے کے لیے تحریک فدايائین ختم نبوت کے نام سے تشکیل دی گئی۔ 2000ء میں تنظیم فدايائین ختم نبوت کو ختم نبوت کے ”فدايائین ختم نبوت“ کے نام سے ایک بار پھر سینوں کو خوب غفلت سے پیدا کرنے کے لیے حلف نامہ پیش کر دیا گیا۔

تنظیمی معاملات میں سستی کی کیا وجوہات ہیں؟

● میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ احساس ذمہ داری کا نہ ہونا اور اپنے فرائض سے غفلت یا اعلیٰ درجے کی روگردانی یا لاپرواہی ہے۔ وہ شخص جو کام کرنے کے لیے ہم سے صبر کرتا ہے جب اس سے تنظیمی معاملات پر گفتگو یا قوی، اعلیٰ، بدنی اور مالی معاونت کا کہا جائے تو وہ ذرا شرمناک بن جاتا ہے یعنی جب اسے اڑنے کا کہو تو کہتا ہے کہ میں پرند نہیں اڑتا ہوں اور جب مجھ کو چھ اٹھانے کا کہا جائے تو کہتا ہے کہ میں اونٹ نہیں پرند ہوں میں تو بوجھا اٹھای نہیں سکتا۔

اس کے علاوہ کام کے متعلق صبر اسوقت ہے کہ کام انجام نہیں ملے چند افراد کرتے ہیں۔ اگر وہ افراد مخلص ہو کر اپنے فرائض کو کا حقہ ذمہ داری سے انجام دیں تو کام ہو جاتا ہے۔ فقط شرائط اخصاص احساس

ذمہ داری، سخت اور وفاداری ہیں۔

☆ مستقبل قریب میں کیا منصوبہ زیر تکمیل ہیں؟

● ان شاء اللہ العزیز معترب فدايائین ختم نبوت کا مگرانہ دور اور فلٹرل پر میدان میں آئے گا۔ اس کے علاوہ ایک دفتر کے قیام کا منصوبہ بھی ہے جو شخصیات سے گرد و گھومے بلکہ تنظیم کا ہو۔ میری تمام عاشقانہ مصطفیٰ ﷺ سے اپیل ہے کہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کر کے حافظین ختم نبوت اور مجاہدین ختم نبوت کی عظیم صف میں ضرور شامل ہوں۔

☆ کیا 7 ستمبر 1974ء کے تاریخ ساز فیصلے کے بعد ہماری ذمہ داریاں ختم ہو گئی ہیں؟

● بالکل نہیں۔ اس فیصلے کے بعد ہم پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جنہیں اب تک ہم ادا نہیں کر سکے۔ 7 ستمبر کا فیصلہ عمارت کی تعمیر میں پہلی اینٹ کی مانند تھا اور ابھی اس پر باقی عمارت تعمیر ہو رہی لیکن ہم ابتدائی اینٹ رکھ کر ہی بھول گئے۔ 7 ستمبر کے فیصلے کے بعد اب تک قادیانی اتنے چوکنا ہو گئے ہیں کہ انہوں نے کچھلی ساری کسریں نکال دی ہیں۔ مجھے ملک عزیز کی گلیڈی عہدوں پر فائز کئی افسران نے خود بتایا ہے کہ قادیانیوں نے ہمیں دعوت دی ہے کہ تم مراٹھی بن جاؤ۔ آج بھی قادیانی اصل ایمان کو لوٹنے کے لیے بڑے پیمانے پر منصوبہ بندی کر رہے ہیں جبکہ ہاتھ پر ہاتھ دوسرے منتظر خود ہیں۔

آج بھی اس معاشرے میں کئی نا سمجھ مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے قادیانیوں میں شادیاں کی ہیں ان سے کاروباری شراکت کی ہے ان کے حمایتی ہیں اور وہ لوگ ان تمام امور کو براہی بھی تصور نہیں کرتے۔ مسلم معاشرے میں قادیانیوں کی اثر پذیریری کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مرزائیت کے خلاف جو فطرت ہونی چاہیے تھی وہ علماء کرام میں نہیں رہی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خطباء حضرات مسلمان ختم نبوت پر تقریریں نہیں کرتے بلکہ ختم نبوت کے موضوع پر انہیں تقریر کا کہا جائے تو وہ کوئی ادعویٰ بیان کرنے لگتے ہیں۔

☆ کشمیر میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

● یہ ملک و ملت کے خلاف بین الاقوامی سازش ہے۔ مرزائیت، یہودیت اور نصرانیت کا پاکستان کے خلاف اتہام ہے اور اس اتہام کو اسرائیل اور ہندوؤں کے ذریعے بڑے کار لایا جا رہا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال

اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہونے والے 600 قادیانیوں کی ہے۔ ہمارے عسکری وحساس اداروں کو اس جانب ضرور غور کرنا چاہیے کہ اسرائیلی فوج میں قادیانیوں کی بھرتی کس نظریے اور سازش کے تحت ہوئی ہے؟ ان کی بھرتی کے پیچھے کون سی قوتیں کارفرما ہیں اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟

عقیدہ ختم نبوت دین کی بنیاد ہے۔ جس طرح عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرنا ایک عام آدمی کی ذمہ داری ہے اسی طرح ایک فوجی جرنیل کی بھی ذمہ داری ہے۔ افواج پاکستان کے ذمہ داران کو سوچنا چاہیے کہ ان کے تمام ہمدے اس ملک کی وجہ سے ہیں اور ملک کی بنیاد **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس بنیاد کو کھوکھلا کر دیا گیا تو اس ملک کا کیا بنے گا اور تمہارا کیا بنے گا؟ مرزا قادیانی رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے شعار اور باغی ہیں جو اسلام کی بنیاد ڈھانے کی ناپاک سعی کر رہے ہیں۔ افواج پاکستان کے غیور مجاہدین سے میرا سوال ہے کہ کیا اسلام اور پاکستان کی بنیاد کو کمزور کرنے اور ڈھانے والا شخص کسی رعایت کا مستحق ہے؟

میں یمبر (محمد) امیر افضل کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں کہ جس طرح 10 نمبری بدعاش کے دروازے پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ 10 نمبری بدعاش ہے اسی طرح ہر قادیانی امرزانی کے دروازے پر لکھا ہونا چاہیے کہ یہ قادیانی امرزانی ہے۔ جس طرح 10 نمبری بدعاش کے دروازے سے لوگ ہٹ کر گزرتے ہیں کہ یہ بدعاش ہے اسی طرح گستاخ رسول مرزائی قادیانی کے دروازے سے بھی لوگ ہٹ کر گزریں کہ یہ دین اسلام اور ہمارے آقا و رسول ﷺ کی نفی کا بیخ بنیاد ہے۔

☆ شیخوپورہ میں محمد اکبر کی مظلومانہ و المناک شہادت پر دینی جماعتیں خاموش کیوں ہیں؟
● یہ بڑی بے حسیت کی بات ہے بلکہ آپ اسے بے محسوس کہیں یا غمیری کہیں یا مروہ دلی کہیں کہ ہے۔
ہمد مرث پیدا شد از بے منتی
کوہ وقت ' ہے دلی ' ووں فطرتی

یعنی جس وقت تو میں بے ہمت ہو جائیں اور ان میں وہ خم باقی نہ رہے تو ان میں سو مرض پیدا ہو جائے ہیں۔ اس وقت وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بے دلی، بے نصیسی اور گندی عاقلیت ان میں پیدا ہو جاتی

ہیں۔ افسوس! آج ہماری پوزیشن علامہ کے اس شعر کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم محمد مالک کی شہادت پر صحیح معنوں میں اس فراعظمین کو پیش کر سکے نہ ہی قادیانیوں کی غلغلہ گروی پر ہوشیار اور بھرپور احتجاج کر سکے۔

☆ الطاف حسین کے قادیانی نواز حالیہ بیانات کو کس تناظر میں دیکھتے ہیں؟

● حکومت کو بحیثیت "اسٹیٹس" ان جہانبات کا سخت نوٹس لینا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ان جماعتوں کو جن کو میاں نور محمد بھکراتی ہیں۔ اگر یہ جماعتیں سیاسی میدان میں الطاف حسین کے خلاف دیکھاؤ اور عارضی سٹیجوں کے لیے لڑ سکتی ہیں تو ملک و ملت کے مسئلے پر احتجاج کیوں نہیں کر سکتیں۔ قادیانی کی آنگھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی بجائے قادیانیوں کے حمایتیوں کو سرعام تنبیہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اغیار ہے کہ بے نام غلام اور ملک و ملت کے خدائر ہیں۔

☆ قادیانیوں کو دعوتِ اسلام کے لیے کیا کوششیں کی جا رہی ہیں؟

● عالمی سطح پر دلائل و اسناد کے مشن کے زیر اہتمام کئی ادارے اس تک کام میں مصروف عمل ہیں جبکہ اندرون ملک ایسا کوئی مؤثر نظام وضع کرنے کے لیے علما و اہل بیتہ کے غور و فکر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں ان اسباب کو تلاش کرنا ہو گا جو جن سے ایسے لوگوں کو قادیانیت سے اسلام میں واپس لایا جاسکے جو ابھی کے بے ہوں۔ ہمیں ان اسباب کو بھی تلاش کرنا ہو گا کہ آخر لوگ مرزا کی کیوں ہوتے ہیں؟ مسلمانوں میں خودواری اور شہرت و بلی پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

☆ قادیانیت کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کے لیے دیگر مسالک سے اتحاد کیا جاسکتا ہے؟

● ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی فکر سے ہماری فکر بڑی نہیں ہے۔ اگر ہمارے بڑوں کی فکر ایسی تھی کہ اس سے کوئی فائدہ ہے تو پھر ٹھیک ہے یا آپ خود کیہ لیں کہ تاریخ میں ایسے اکتاوس سے کوئی فائدہ ہوا ہے تو پھر کہہ کر میں کیا حرج ہے؟

☆ مملکت اسلامہ میں اقلیتوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

● اسلام کے اندر اقلیتوں کو پورے پورے حقوق حاصل ہیں خود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح بیت

المقدس کے موقع پر یہودیوں کے معبد میں نماز اس لیے نہیں پڑھی کہ بعد میں مسلمان اسے اپنی ملکیت تصور نہ کرنے لگیں۔ اسی طرح جو لوگ جزیہ آسمانی نہیں دے سکتے تھے آپ نے انہیں جزیہ معاف کر دیا اور اس کی ادائیگی بیت المال سے کر دی۔

☆ تفسیر غامدی کیا ہے؟

● یہ تفسیر پرویز کی جدید شکل ہے یا ان کہہ لیں کہ منکرینِ حدیث کا نیا روپ ہے۔

☆ مسائلِ دینیہ میں تحقیق کے لیے بنیادی شرائط کیا ہیں؟

● بنیادی شرائط یہ ہیں کہ اپنے اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ کر ان کی متعین کردہ راہوں پر میل کر تحقیق کی جائے۔ نئے نئے قواعد و ضوابط وضع نہ کیے جائیں۔ بقول اقبال

لے شک بر ما رہگذار دیں شد است

بر لپے را زدار دیہ شد است

اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں

بہ اجتہاد عالمان کم نظر

اقتدار بر رفقاں محفوظ تر

☆ اس دور میں اجتہاد کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

● ہمارے اسلاف نے جو کچھ کہیں عطا کیا ہم اسے پڑھ بھی نہیں سکتے اور باتیں اجتہادی کرتے ہیں ایسے ہی اجتہاد کے متعلق علامہ نے کہا تھا

بہ اجتہاد اندر زمانہ انحطاط

قوم را برہم ہی پیچہ ہباط

یعنی جس وقت قومیں زوال کا شکار ہوں اس وقت اجتہاد کی باتیں کرنا اور کچھ ہوئی ساکھ کو خاک میں ملانے کے برابر ہے۔ جس قوم کے اندر نامہ و جہتہ بن کوہِ بکر یا عبارت صحیح نہ پڑھی آئے سر ہی بولنی نہ آئے؟ اپنے اسلاف کی کتابیں نہ سمجھ آئیں اور اپنے ذخیرے کا کچھ نہ ہو تو ایسا شخص کیا اجتہاد کرے گا؟ جس

شخص کو "اجتہاد" دینا بھی نہ آتا ہو کیا ایسا شخص اجتہاد کے متعلق گفتگو کرنے کا اہل بھی ہے؟
☆ نام تہاد روشن خیال اسلام اور روشن خیالی کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

● یہ کوئی نئی بات نہیں

سوی و فرعون و شیر : یزید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

کے خبر تھی کہ لے کر چراغِ معصومی

آگ لگائے پھرے گی جہاں میں بوس

حق اور باطل کی ٹکڑی تصدیق ہے اور یہی ہے۔ اب اہل حق نے حق کا دفاع باطل کا ابطال کرتا ہے۔ اس میں ہم سے نظریاتی و اجتماعی سستی ہو رہی ہے خصوصاً مذہبی قائدین اپنی ذمہ داریاں کما حقہ ادا نہیں کر رہے۔

اگر اہل حق باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہیں زبردور بنے کا کوئی حق نہیں چاہیے کہ وہ مر جائیں۔ ہمارے بزرگوں کی تعلیمات کا یہی نچوڑ ہے۔ ہمارے اسلاف نے بھی اپنے سروں کو بچانے کے لیے باطل کے سامنے سر جھکا نہیں بلکہ اپنے سروں کو اور اونچا کر کے رواج میں کھنوا دیا۔

سہر بھکا کے بیج نہ منہ چھپا کے بیجے

ستم گردوں کی نظروں سے نظریں ملا کے بیجے

اگر ہم ایک دن کم بیجے تو اس میں حیرت کیا

ہم ان کے ساتھ تھے جو شیخ ہلا کے بیجے

☆ خوش حملوں کے متعلق آپ کا کیا موقف ہے؟

● پہلی بات تو یہ ہے کہ خود کش حملے کس کے خلاف ہو رہے ہیں؟ ہر طرف مسلمانوں کو ہی خودش حملوں کی بھیبت چڑھایا جا رہا ہے۔ اسلام میں تو جہاد ہے وہ بھی کفر کے خلاف۔ اسی کو دنیا میں عام کیا جائے اور مای کے ذریعہ کفر کا مقابلہ کیا جائے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ مسلمان ممالک پر ایسی قیادتوں کو لایا جائے جو

اسلام کو حقیقی معنوں میں سمجھتی ہوں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ کبش تو عیسائیت کی طرف سے صلیبی جنگ لڑ رہا ہے اور مسلمان ملکوں کے حکمران اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ مسلمان حکمرانوں کو تو اسلام کی حمایت کرنی چاہیے تھی لیکن وہ عیسائیت اور کبش کی حمایت پر تلے ہوئے ہیں۔

لا جرم از قوت دیں بد فتن است

کاروان خویش را خود راہزن است

آج کے حکمران دین کی قوت سے بے بہرہ ہیں۔ ستم بالاستم یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی کاروان کو ڈاکو بن کر لوٹ رہے ہیں۔ جو بچانے والے تھے وہی لوٹنے میں مصروف ہیں جو محافظ تھے وہی رعون بن گئے ہیں۔ آج ہمارے حکمران اپنی ہی عوام کو مرد و عورت کی تمیز کے بغیر ڈاکروں کے عوض غیر ملکی آقاؤں کو فردشت کر رہے ہیں۔

☆ مذہب مال کے مسئلے پر اختلاف پر کیا کنٹنظر ہے؟

● اس گوردچتوں سے دیکھیں کہ اختلاف کرنے والے اہل علم ہیں یا نامی۔ اگر اہل علم ہیں تو ان کے منصب کا تقاضا ہے کہ اس اختلاف کو میڈیا میں یا ادھر ادھر اچھالنے کی بجائے الہام تعلیم سے حل کریں۔ اگر آپ نے ایک شخص کو مذمہ داری سونپی ہے تو اس پر اعتماد کریں یا اس پر عدم اعتماد کرتے ہوئے مذمہ داری دایں لے لیں۔

عوامی اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ رواج بن گیا ہے کہ ہر شخص کسی بھی دینی مسئلے پر اپنی رائے دینا ضروری اور اپنا پداری حق سمجھتا ہے۔ یہ بہت غلط بات ہے کہ مسائل دینیہ کو لوگوں نے بچوں کا کھیل بنا رکھا ہے۔ ہر کس و ناکس کا یہ منصب ہی نہیں کہ وہ مذہب مال پر رائے زنی کریں کہ یہ درست ہے یا نہیں

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو تو کے

حریت انکا کی نعت ہے خدا داد

چاہے تو کرے کیسے کو آتش کدہ پار

چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد

قرآن کو بازپچہ تبدیل بنا کر چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد ہے مملکت ہند (پاکستان) میں اک طرفہ تماشا اسلام ہے عجیوں ' مسلمان ہے آزاد

☆ مخلوط تعلیمی نظام کیسا ہے؟

● بالکل غلط ہے۔ اس میں تباہی و بادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ قبول اقبال

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن

کہتے ہیں اس علم کو ارباب نظر موت

اقبال کا کہنا ہے کہ جس علم کو بچہ رکھو رت ' عورت ندہے ارباب فخر اسے موت کہتے ہیں۔

☆ کیا اسلام میں تعلیم نسواں کی محتاج ہے؟

● اسلام کی حدود میں رہ کر خاتمن کی تعلیم کی محتاج موجود ہے۔

اگر پندے ز دریشے پندیری

ہزار امت ببرد تو نہ میری

بتولے باش د پنہاں شواہیں عصر

کہ در آغوش شبیرے گیری

اقبال خواتین کو نصیحت کرتا ہے کہ زمانے سے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی طرح چسپ کر رہو یعنی اگر

خواتین کی نظر حضرت سیدہ کے کردار پر لگی ہو تو فحش ہے اور اگر ایسا نہیں تو تباہی و بربادی کے سوا کچھ ہاتھ

نہیں آئے گا۔

مراداد این خرو پر در جنونے

نکاہ مادر پاک اندرونے

یعنی ہر اندر ڈا دین کا جو جذبہ اور درد یکہ ہا ہے یہ مجھے میری ماں کی گود سے ملا ہے۔

مکتب چشم و دل متواں گرفتار

کہ کتب نیست جز سحر و سوسائے!

یعنی سکولوں میں لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ سکول ڈنڈو دل کو کھلتے ہیں اور نہ ہی آنکھیں۔

اور صرف جاوہری جادو اور ظاہری نیپ ٹاپ (مخدوم فرائض) ہے۔

ہندو دینی و دنیاوی تعلیم کے امتزاج کا تجزیہ کیا ہے؟

● یہ امتزاج درس نظامی کو ختم کرنے کی بین الاقوامی سازش ہے۔ درس نظامی کو اردن، مصر، عراق، شام، سوڈان، افغانستان اور بھارت میں کہیں جڑی اور کہیں مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اب آخری مصر کو سر زمین پاکستان میں سر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جدید و قدیم علوم کا امتزاج اسی کا شاخسانہ ہے۔

جدید و قدیم علوم کا حامل شخص جب سامنے آتا ہے تو اسے جدید کا پتہ ہوتا ہے نہ قدیم کا۔ پاکستان میں جو لوگ اس امتزاج کی کامیابی کے وعید ادا ہیں ان کے اپنے مدارس کے علمی درجات میں وہ لوگ پڑھا رہے ہیں جو صرف قدیم نصاب پڑھتے ہوئے ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان اداروں نے اپنے دعووں کے برعکس کیسے افراد تیار کیے ہیں؟ ایک آدمی بھی ان اداروں کا ایسا تیار شدہ نہیں جو عربی نصاب تعلیم پڑھائے۔ جی ہاں! اردو نصاب تو پڑھائے گا لیکن عربی نہیں۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

ہو جائے ملغمہ تو جہر چاہے اسے پھیر

یہ بین الاقوامی سازش ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کے معماروں کو تعلیم ہی ایسی پڑھاؤ کہ وہ بڑی طرح بن جائیں۔ پھر جس طرح کا اسلام ٹھکان، عوام، عیاش، بد معاش اور دین ہیزا ربطہ چاہے ایسی ہی صورت کا دین ان کے حضور پیش کر دیا جائے۔

تا شہر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

سولے کا ہمال ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

ایسی مٹیوں مرکب تعلیم پڑھنے کے بعد مسلمان سونے کا بھی ہو تو مٹی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ سوچنے کی

بات ہے کہ آج حکومت اور قوم غلام و پھوسہ کا لرھضات کو بطور خطیب کیوں مانگتی ہے؟ صرف اس لیے کہ پروفیسر خطیب ایسی ریزہ جس کو کوئی تادمہ، کھنٹی اور اہل غلہ جس طرح موزنا چاہتے ہیں وہ ان کے مطابق موزنا پٹایا جاتا ہے۔ اسی لیے حکمران بھی چاہتے ہیں کیا کیا، "چوں" "کا مرہ" تیار ہو جسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال میں لایا جاسکے اور حکمرانوں کی یہ ضرورت غیور سادہ سے درس نظامی پڑھے یا ان کے پاس جیسے ہوئے افراد سے قطعاً پوری نہیں ہو سکتی۔

ہندو درس نظامی پڑھ کر سکول، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنا پڑھانا کیا ہے؟

● اگر پڑھنے پڑھانے والا صبغة اللہ یعنی اللہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھائے ہوئے ہے تو اس میں حرج نہیں اور اگر ایسا نہیں یعنی وہاں جا کر اپنی داغی منڈ واڈے دین اور علاء طہق و تشیع شروع کر دے تو

مہاش ایمن ازاں علیہ کہ غواہی

کہ از دے روح قوسے متواں کشت

یعنی ایسے علم سے تو پوری ملت کو مر دیا جاسکتا ہے۔

● ملک میں امن و سلامتی اور ترقی کی کس نظام حکومت میں پنہاں ہے؟

● نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ سے ہی اس ملک میں امن و سلامتی اور ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اس نظام کے علاوہ قیامت تک معاشرے میں برکات کا نزول نہیں ہو سکتا۔ جمہوریت تو ایک طرف تماشہ ہے جس میں ہندوں کو کٹا کر ہٹے ہیں تو انہیں کرتے اس نظام میں مسلمانوں کے لیے کوئی خیر کا پلو نہیں ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ سوگند محل کر بھی انسان کی سوچ و فکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن جمہوری نظام میں اگر ایک طرف 100 گدھے ہوں اور دوسری طرف 99 انسان ہوں تو جمہوری نظام کی زور سے انسان ہار جائیں گے اور گدھے جیت جائیں گے۔

اسلام میں تحفہ نہیں کی جاتی بلکہ اس میں دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص بات کر رہا ہے اس کا اپنا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلے کیے کیا وہ جمہوریت کی بناء پر کیے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اکثریت تو لشکرِ سامرا کو بھیجتے تھے حق میں نہیں تھی لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثال فہم

بیوہ عورت

عشق و اخلاص کا ایک درد انگیز واقعہ علامہ ارشد القادری

حضرت علامہ ارشد القادری کی تمام عمر اہلسنت و جماعت کے دفاع و خدمت میں بسر ہوئی۔ آپ جامع نظام الدین دہلی کے بانی اور ان گنت مدارس کے سرپرست و مربی تھے۔ تحریر و تقریر میں یکساں ذہانت تھے خصوصاً شعر میں آپ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ آپ کی لا جواب تصانیف میں مسئلہ ختم نبوتؐ کا جسم بے سایہ، علم غیب، لالہ زارِ دلف و زنجیر تعلیلی جماعت اور ذلولہ وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر کتاب نے تو حقیقی محو میں غبارِ دو بوند کے کروٹ پر کھلات میں ڈرلہ برپا کر دیا تھا جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ہر ایک آپ بہترین محقق و مصنف اور ادیب و شاعر تھے۔ ماہنامہ جام نور اور جامعہ نظام الدین دہلی آپ کی خاص یادگار ہیں۔

چاندنی رات کا چھپتا پہر تھا، مدینے کی گلیوں میں ہر طرف نور برس رہا تھا اور پوری آبادی رختوں کی گود میں محو خواب تھی۔ آسمانوں کے در پر سچل گئے تھے۔ دفنائے بہیض میں فرشتوں کے پروں کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی، عالم بالا کا یہ کاروان شاید مدینے کی زمین کا نظرس چومنے آ رہا تھا۔ اچانک اس خاموش سناٹے میں بہت دور ایک آواز گونجی، فضاؤں کا سکوت ٹوٹ گیا، شہستان وجود کے سارے تار کھڑکے اور ایمان کی تیش چنگاریوں کی طرح بال بال سے پھوٹنے لگی۔ میخانہ عشق کا ورد وازہ کھلا، گوشتی شراب چھلکی اور جذبہ اخلاص کی دالہ نہ سرستنیوں میں سارا ماحول ڈوب گیا۔ یہ غلامان اسلام کے آقا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز تھی جس نے ہر گھر میں ایک پیغام شوق برپا کر دیا تھا۔

اب مدینہ کی ساری آبادی جاگ اٹھی تھی۔ سرور گوینان کا سناوی ایک شکستہ گھر کے سامنے آواز دے رہا تھا کہ ”گمشدہ اسلام کی شادابی کے لیے خون کی ضرورت ہے۔ آج نماز فجر کے بعد مجاہدین کا

وفراست سے اس لشکر کو بھیجے گا فیصلہ قائم رکھا۔ اہدیش حالات و واقعات نے بتایا کہ تائید الٰہی اسی فیصلے کے ساتھ تھی اور وہ بڑا باہرکت فیصلہ تھا۔

☆ پکارناں میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ میں کیا رکاوٹیں ہیں؟

● اس کو اقبال کے الفاظ میں سمجھیں کہ

جانتا ہوں میں یہ امت حاملی قرآن نہیں ہے
وہی سرمایہ وارث بندہ مومن کا دیں
جانشاہوں میں مشرق کی اندھیری رات میں
بے یونین ہے عیروں حرم کی آستینیں
عمر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آنکھیں تو خوب
یہ غیبت ہے کہ خود مومن ہے محرم یقین

☆ مذہبی و سیاسی جماعتوں، مصالحیں عمل کے کردار سے مطمئن ہیں؟

● حضرت قبلہ نورانی صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد مجلس عمل نے بہت گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ ان کی آنکھیں مٹی موجودگی کے باوجود رہ رہتا ہے اسے تاریخ میں سیاہ ترین کردار کے طور پر لکھا جائے گا۔

☆ اہلسنت و جماعت، سیاسی تنظیموں کو سیاسی میدان میں کہاں کھڑا دیکھتے ہیں؟

● اس وقت اہلسنت و جماعت کی سیاسی تنظیمیں اس میدان میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس وقت یہ طفیلی بنی کمزری ہیں اور سہارا تلاش کر رہی ہیں۔ کوئی دائیں، کوئی بائیں، کوئی چھوٹی بُرائی کے ساتھ ہے تو کوئی بُری بُرائی کے ساتھ ہے ان کا اپنا کوئی وجود نہیں۔

﴿باقی صفحہ 135﴾

لشکر ایک عظیم ہم پر روانہ ہو رہا ہے۔ مدینہ کی اربند ماہیں اپنے نوجوان شہزادوں کا گذرانہ کر فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائیں۔ مکہ نہ تھی کی برتری کی لیے تڑپتی ہوئی لاشوں کو خوشدوی کی بشارت مبارک ہو۔ مبارک ہو! آخری قطرہ جو چھٹکتی ہی اسلام کی بنیاد میں جذب ہو جائے۔

ایک ٹوٹے ہوئے دل کی طرح یہ ٹوٹا ہوا گھر ایک بیوہ عورت کا تھا۔ چھ سال کے یتیم بچے کو گود میں لیے ہوئے وہ سو رہی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر چونک پڑی دردناک سے پرکھڑی ہو کر غور سے سنا۔ سنتے ہی دل کی چوٹ ابھر آئی اور آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ڈھکیں۔ چھ سال کا یتیم بچہ سو یا ہوا تھا اور ماں رو رہی تھی۔ فرط محبت میں بچے کو سینے سے چمکایا۔ سسکیوں کی آوازیں کر بچے نے آنکھیں کھول دیں اور ماں کو رو دتا: داد کچھ کر جیتا ہو گیا۔

گلے میں بائیں ڈال کر مضمون داؤں کے ساتھ دریافت کیا ماں! کیوں رو رہی ہو؟ کہاں تکلیف ہے تمہیں؟ آہ! ایک آنسو بچے کو کیا معلوم کہ حسرتوں کی چوٹ کتنی دردناک ہوتی ہے؟ کہاں چوٹ ہے نہیں بتایا جا سکتا لیکن اس کی تک سے سارا جسم ٹوٹنے لگتا ہے۔ پھر ایک بیوہ عورت کا دل تو اتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی شخص سے پتھر پڑو رہو جاتا ہے۔

بچے کے اس سوال پر ماں کا دل اور بھرا۔ غم کی چوٹ سے یک جذبات کا دھارا پھوٹ پڑا گرم گرم آنسوؤں سے آنکھوں کا کونہ جھج گیا اور بچہ بھی ماں کی حالت دیکھ کر رونے لگا۔ ماں نے بچے کے آنسو پونٹھتے ہوئے کہا میرے لالہ مت رو۔ بچہوں کا ردنا عرش ہلا دیتا ہے۔ تمہارے گریے درد سے غم کی چوٹ اور تازہ ہو جائے گی۔ بدر کی دادی میں ابدی نیند سونے والے اپنے شہید باپ کی روح کو مت تڑپاؤ۔ دنیا چھوڑنے کے بعد بھی شہیدوں کے دل کا رابطہ اپنے خون کے رشتوں سے باقی رہتا ہے۔ چپ ہو جاؤ! امت رو میرے ال!

مگر پھر دوبارہ باندھن تھا کہ ماں کیوں رو رہی ہے بالآخر اپنے بچے کے لیے ماں کی آنکھ کا ہلاتا ہوا چشمہ سوکھ گیا۔ ماں نے بچے کو تسلی دیتے ہوئے کہا بیٹا! ابھی ابھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ (وہی بال

جنہیں دم کا پتی ہوئی آگ کا ٹھہرا ہوا ہاتھ تھپکا) یہ اعلان کرتے ہوئے گزرے ہیں کہ اسلام کا پرچم دشمنوں کی زد پر ہے۔ آج نماز گھر کے بعد جامعہ بن کا ایک لشکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ آٹھ گھنٹے کے نیند نے اپنے جاننا ہوا فادرلوں کو آواز دی ہے۔ آج غیرت حق کا سمندر ہلکھوڑے لے رہا ہے۔

رشتوں کے تاجدار ﷺ آج ایک ایک قطرہ خون پر جنتوں کی بہار نادیں گے۔ ایک لمحے میں آج قسمت کی ساری عنکبوت مٹ جائے گی۔ کتنی خوش نصیب ہوں گی وہ مادران ملت جو سیدہ سحر کی روشنی میں اپنے نوجوان شہزادوں کا گذرانہ لیے ہوئے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوں گی؟

آہ! کتنی قابل رشک ہو گی ان کی یہ التجا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے گھر کے ٹکڑے آپ کے قدموں پر ٹکا کر لائی ہیں۔ اسی آرزو میں انہیں دوہہ پلا کر جوان کیا تھا کہ ایک دن ان کے لبو سے دین کا چین سیراب ہوگا۔ یا رسول اللہ! ہمارے اربانوں کی یہ حقیر سی قربانی قبول فرمائیں تاکہ عمر بھر کی محنت وصول ہو جائے۔

بچہ ماں کو رو دتا کہ کچھ کچھ کر لیا گیا۔ ماں نے کہا بیٹا! خند نہ کر۔ دل کی چوٹ تم ابھی نہیں سمجھ سکتے ہو۔ میں اپنے نصیب کو رو رہی ہوں۔ کاش! آج میری گود میں بھی کوئی بیٹا ہوتا تو میں بھی اپنا نذرانہ شوق لیے رحمت عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوتی۔ آنسو! کہ آج آخرت کے سب سے بڑے اعزاز سے محروم ہوگئی۔ یہ کہتے کہتے پھر دل کا درد جاگ اٹھا پھر غم کی پیش بڑھ گئی اور پھر آنکھوں کے چشمے سے آنسو اچھلنے لگے۔

بچے نے ماں کو چپ کراتے ہوئے کہا اس میں رونے کی کیا بات ہے ماں! تمہاری گود تو خالی نہیں ہے۔ رحمت عالم ﷺ کے حضور میں ماں اپنے جوان بیٹوں کو لے کر جا نہیں گی! تم مجھ ہی لے چلو۔ ماں نے چمکارتے ہوئے جواب دیا: بیٹا! میدان کارزار میں بچوں کو نہیں لے جاتے۔ وہاں تو شہید کی ٹوک سے دشمن کی صفیں اٹکنے کے لیے جوانوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں سرور پر چمکتی

ہوئی تلواروں کی بھلیاں گرتی ہیں وہاں نیزوں سے کفر کے جگر میں شکاف ڈالا جاتا ہے۔ میرے لالہ اوقل و خون کی سرزمین ہے تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟

بچے نے خند کرتے ہوئے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اپنی کسی کے باعث ہم میدان کارزار میں جانے کے قابل نہیں ہیں لیکن بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ ہماری قربانی سرکار نے قبول فرمائی تو دسے نصیب اور اگر کچھ بچہ کروا دیں کرو یا تو کم از کم اس کا تو غم نہیں رہے گا کہ اسلام کے لیے جان کی نذر پیش کرنے سے ہم محروم رہ گئے۔ جان چھوٹی ہو یا بڑی بہر حال جان ہے اور جان ہونے کی حیثیت سے دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہیں۔

ماں نے فرط محبت میں بچے کا منہ چوم لیا اور حیرت سے منہ تکتے لگی کہ اس کسی میں داناؤں جیسا شعور صرف اس رحمت خاص کا صدف ہے جو جیہوں کی گمران ہے۔

سیدہ محرمہ اور ہو چکا تھا، جلوہ دریا کے پردانے آنکھوں میں غبار شوق لیے مسجد نبوی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ درد آتشا دلوں کے لیے رات کا لمحہ فراق بھی طویل مدت کی طرح بوجھل ہو گیا تو حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خورشید کی پہلی کرن کے نظارہ کے لیے ہر نگاہ اشتیاق آرزو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے میدان میں مجاہدین کی قطاریں کھڑی ہو گئیں۔ جو نوجوان محاذ جنگ پر جانے کے قابل تھے انہیں لے لیا گیا اور باقی لوٹا دیے گئے۔ انتخاب کے کام سے فارغ ہو کر سرکار ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک پردہ نشین خاتون پر نظر پڑی جو چھ سال کا ایک بچہ لیے کنارے کھڑی تھی۔ سرکار ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا اس خاتون سے جا کر دریافت کر دو کہ وہ بارگاہ رحمت میں کیا فریاد لے کر آئی ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قریب جا کر نہایت ادب سے پوچھا۔ دربار رسالت ﷺ میں آپ کیا فریاد لے کر حاضر ہوئی ہیں؟ خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا ”آج رات کے پچھلے پہر آپ اعلان کرتے ہوئے میرے گھر کے سامنے گزرے۔ اعلان کن کر میرا دل تڑپ اٹھا

میرے گھر میں کوئی جوان نہیں تھا جس کے خون کی اسلام کی بارگاہ میں نذر پیش کرتی۔ چھ سالہ یہ یتیم بچہ ہے جس کا باپ گزشتہ سال جنگ بدر میں جام شہادت سے سیراب ہوا۔ یہی گل میری متاع زندگی ہے جسے سرکار ﷺ کے قدموں پر رکھ کر لائی ہوں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور سرکار ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ سرکار ﷺ نے بچے کو آغوش رحمت میں جگہ دی۔ سر پر ہاتھ بھیرا، پیار کیا اور نہایت شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا: میری بہتوں کے محبوب شہداء اتم ابھی کس ہیں؟ محاذ جنگ پر جوانوں کی ضرورت پڑتی ہے ابھی تم اپنی ماں کی آغوش میں پلو بڑھو اور گلشن اسلام کی بہاروں جب تمہارے بازوؤں میں کس مل پیدا ہو جائے گا تو میدان جنگ تمہیں خود آواز دے گا۔

بچے نے اپنی تلافی ہوئی زبان میں کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی امی جان کو دیکھا ہے کہ جب وہ چولہا جلاتی ہیں تو پہلے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو سلگاتی ہیں۔ جب آگ دیکھنے لگتی ہے تو پھر موٹی موٹی ٹکڑیاں ڈالتی ہیں۔ یا رسول اللہ! میں جنگ کرنے کے قابل تو نہیں ہوں لیکن کیا میدان کارزار گرم کرنے کے لیے مجھ سے ٹکڑوں کا بھی کام نہیں لیا جاسکتا۔ اگر آپ مجھے اپنے ہمراہ نہیں لے جاؤ گے تو میری امی روتے روتے بکان ہو جائیگی۔ وہ اس غم میں ہر وقت روتی رہتی ہیں کہ آج میری گود میں بھی کوئی جوان بیٹا ہوتا تو میں بھی اسے اسلام کی نذر کر کے سرکار ﷺ کی خوشنودی کا اعزاز حاصل کرتی۔ بچے کا اپنی ننھی و تلافی زبان میں دل کے حوصلوں کا اظہار سارے مجمع پر رقت طاری کر گیا۔ سرکار ﷺ بھی فرط اثر سے آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت بلال نے فرمایا کہ ”جا کر اس کی ماں سے کہہ دو کہ اس کی ننھی قربانی قبول ہو گئی۔ قیامت کے دن وہ غازیان اسلام کی ماؤں کی صفوں میں اٹھائی جائے گی۔ آج سے خدا کی ایک مقدس امانت کچھ کر وہ بچہ کی پرورش کا فرض انجام دے خدا کے یہاں ہال بال کا اجر محفوظ ہے۔“



دارالافتاء

تخذیر الناس کے حامیوں کا دھوکہ

مکرمی و معظمی حضرت غزالیؒ زماں عالم کا علمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

سلام مسنون و مروض خدمت عالیہ میں ہے کہ جو حوالہ ”تخذیر الناس“ (مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند) صفحہ ۲۸ پر مرقوم ہے کہ ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نئی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“

اس کے مقابل عقیدہ اہل سنت جو کہ آپ کی تعریف ”الحق الصمدین“ میں مرقوم ہے۔ ایک دیوبندی سے اس پر گفتگو ہوئی۔ اس نے اس میں یہ تاویل کی کہ ”خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا“ اس کا مطلب ہے کہ حضور خاتم النبیین ہی ہوں گے اور مدعی کا ^{بہت بڑا} بطل ہوگا۔ جس طرح مشرکین شریک باری تعالیٰ مانتے تھے لیکن ان کے ماننے سے الوہیت الہیہ میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ بقول دیوبندی اس سے حضور ^{صلعم} کی فضیلت اور خاتمیت ثابت ہوتی ہے لہذا جوابی لفاظی ارسال خدمت ہے کہ برائے نوازش مسلک کی بہتری کے پیش نظر تفصیلی جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ دیوبندی کو مکمل جواب دیا جاسکے اور باقی عوام بھی مطمئن ہو سکیں۔

(المدنی)

منہاج النعمی

مدرسہ (مرکزہ) العلوم، حنفیہ، حرری روڈ، لاہور (پشاور)

الجواب مع الصواب

تخذیر کی عبارت میں جو تاویل کی گئی ہے وہ قطعاً باطل و مردود ہے۔ مؤؤل (تاویل کرنے والے) کی تاویل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ صاحب تذہیر کی یہ مقام گفتگو اثر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو صحیح ماننے کی تقدیر پر ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر طبقہ زمین میں انبیاء علیہم السلام موجود ہیں۔ اس مضمون پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ^{صلعم} خاتم النبیین ہیں تو حضور ^{صلعم} کے علاوہ کسی نبی کا وجود کسی طبقہ زمین میں حضور ^{صلعم} کی خاتمیت کے منافی قرار پائے گا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب تذہیر نے کہا ”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نئی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ چنانچہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے کسی زمین میں کوئی نئی جو پیدا کیا جائے۔“

اس پوری تفصیل اور عبارت منقولہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد مؤؤل کی تاویل ملاحظہ فرمائیے! مؤؤل کہتا ہے: ”اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور خاتم النبیین ہی رہیں گے اور مدعی کا دعویٰ باطل ہوگا۔“ چشمہ درکیاضی تو جہد کی گئی ہے؟ مؤؤل صاحب نے صاحب تذہیر کی عبارت کو خود اس مسلک کے معارض و منافی قرار دے دیا۔ صاحب تذہیر تو اثر عبداللہ بن عباس کو صحیح مان کر حضور ^{صلعم} کے مساوی دیگر انبیاء علیہم السلام کے وجود کو طبقات زمین میں تسلیم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بسل اضر ایسہ لا کر زمانہ نبوی ^{صلعم} کے بعد بھی نبی کا وجود فرض کر کے خاتمیت محمد ^{صلعم} میں فرق نہ آنے کا اقرار کر رہا ہے اور مؤؤل کہتا ہے کہ ”حضور خاتم النبیین ہی رہیں گے اور مدعی کا دعویٰ باطل ہوگا۔“

مؤؤل سے میں دریافت کرتا ہوں کہ تذہیر کی منقولہ بالا عبارت میں لفظ نبی سے جھوٹا مدعی نبوت مراد ہے یا سچا نبی؟ اگر سچا نبی مراد ہے تو مؤؤل اس کے دعویٰ نبوت کو باطل کہہ کر منکر نبوت ہوا اور اگر (معاذ اللہ) جھوٹا مدعی نبوت مراد ہے تو اس عبارت میں ”بالفرض“ کے کیا معنی ہوں گے؟ فرض تو ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو خلاف واقع ہو اور ظاہر ہے کہ بعد زمانہ نبوی ^{صلعم} جھوٹے مدعیان نبوت کا

بکثرت پیدا ہونا اس واقعہ ہے۔ اسے بالفرض کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

معلوم ہوا کہ تاویل مذکور باطل و مردود ہے اور تخریج کی اس عبارت کا مطلب یہی ہے کہ اگر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق حضور ﷺ کے ماسوا ز میں کے ساقوں طبقوں میں انبیاء علیہم السلام کا پایا جانا حضور ﷺ کی خاتمیت کے منافی نہیں بلکہ ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی مسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“

تاویل مذکور کے ذیل میں جو مثال پیش کی گئی ہے وہ بھی غلط اور بے عمل ہے جس سے مؤول کی جہالت ثابت ہوتی ہے۔ وہ انہی بات میں نہیں سمجھ سکتا کہ مشرکین شریک باری تعالیٰ کے وجود کو بالفرض نہیں مانتے تھے یعنی وہ محض فرضی شریک کے قائل نہ تھے بلکہ اپنے دغم باطل میں واقعی شریک باری کے معتقد تھے۔ یہ سمجھ چکے کہ خلاف واقعہ اعتقاد سے واقعہ کوئی اثر نہیں پر سکتا۔ اگر کوئی شخص ون کو رات کہہ دے تو دن کی روشنی رات کی تاریکی میں نہیں بدل سکتی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے لیے شریک ماننے سے اس کی توحید میں فرق نہیں پر سکتا لیکن یہاں مشرکین کے شریک باری ماننے اور خلاف واقعہ اعتقاد رکھنے سے بحث نہیں۔ گفتگو اس بات میں ہے کہ اگر باری تعالیٰ کے لیے شریک فرض کر لیا جائے تو اس کی توحید میں فرق آئے گا یا نہیں؟ میں عرض کروں گا کہ ضرور فرق آئے گا کیونکہ شریک باری محال ہے اور فرض محال، محال کو مستلزم ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص شریک باری کو فرض کرے گا تو اس کے قول پر (معاذ اللہ) توحید باری کا بطلان ضرور لازم آئے گا۔ مثلاً تم کہیں کہ خدا ایک ہے اگر بالفرض دوسرا خدا پایا جائے تو ایک کی بجائے دو خدا ہو جائیں گے جو محال ہے۔ مستلزم محال یقیناً محال ہوتا ہے لہذا دوسرے خدا کا پایا جانا محال ہے۔

خوب یاد رکھیے! جس چیز کے فرض کرنے میں کوئی محال لازم نہ آئے، وہ محال نہیں۔ اگر بقول مؤول شریک باری فرض کرنے سے توحید باری میں کچھ فرق نہ آئے تو شریک باری محال نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر کسی کے نزدیک شریک باری فرض کرنے سے توحید باری میں فرق نہیں آتا تو سمجھ لیجیے

کہ وہ شریک باری کو ممکن سمجھتا ہے اور شریک باری محال سمجھتا ہے۔ اس تقریر سے مؤول کی تاویل اور عبارت کے ہر لحاظ سے

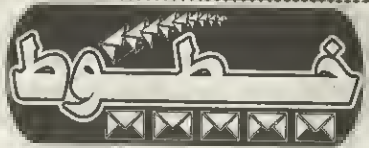
آیت کریمہ ﴿لَکِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَحَامِلَ السِّبِّ﴾ کی رد، حادہ ما و اعتراف محال ہے۔ اگر بالفرض یہ محال واقعہ ہو جائے تو خاتمیت محمدیہ میں ضرور فرق آئے گا، خاصہ کہ میں فرق آنا محال ہے لہذا بعد زمانہ نبوی کسی نبی کا پیدا ہونا محال ہے۔ اس کے برخلاف صاحب فقہ کا یہ کہنا کہ ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی مسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بعد نبی پیدا ہونے کو جائز مانتا ہے جو اس مسئلہ کے نزدیک محال اور باطل محض ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح شریک باری فرض کرنے سے توحید باری میں فرق آنا اس بات کی دلیل ہے کہ شریک باری محال ہے اسی طرح حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کی پیدائش فرض کرنے سے حضور ﷺ کی خاتمیت میں فرق آنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔

جو شخص شریک باری فرض کرنے کو توحید باری کے منافی نہیں سمجھتا وہ توحید کا قائل نہیں اور جو حضور ﷺ کے بعد نبی کی پیدائش فرض کرنے کو حضور ﷺ کی خاتمیت کے خلاف نہیں جانتا وہ شتم نبوت کا معتقد نہیں۔ توحید باری اور شتم نبوت پر اسی شخص کا ایمان ہے جو شریک باری فرض کرنے کو توحید کے منافی جانتا ہے اور حضور ﷺ کے بعد نبی کی پیدائش فرض کرنے کو شتم نبوت کے خلاف مانتا ہے۔ امید ہے کہ اس بیان کو پڑھ کر آپ مطمئن ہو جائیں گے اور اگر خدا خواستہ کوئی غلطی باقی رہے تو مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

واللہ تعالیٰ وسوہ (جمع بالصلوہ)





﴿محمد رضوان کے مریح اسکا رجامد پنجاب (پنجاب یونیورسٹی)﴾

۔ ماہی العاقب کو ہر اعتبار سے مفید پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کی عمر میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ اس رسالہ میں دو تین باتوں پر اپنا نقطہ نظر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

● حزب اختلاف کی جانب سے قومی اسمبلی میں پیش کی گئی قرارداد واقعی تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ خصوصاً اراکین اسمبلی کے دستخط خاصے کی چیز ہیں۔ اگر ممکن ہو تو باقی ارکان کے دستخط بھی شائع فرمائیں۔

● صدر اور وزیر عظم کے حلف ناموں کی طرح دیگر حکاموں میں ختم نبوت کے متعلق درج حلف ناموں کو بھی ضرور شامل اشاعت کریں۔

● حضرت فاضل بریلوی کے متعلق ڈاکٹر خالق وادملک اور سید قمر زیدی سے سنا تو ضرور تھا لیکن عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں ان کے کردار کو بڑھ کر درج حیرت میں مبتلا ہو گیا کہ برصغیر کے اس عظیم مجاہد کو کیسے تاریخ میں پس پشت ڈالا گیا ہے۔

● الحمد للہ مجھے مطالعہ کی شروع سے ہی عادت ہے۔ آج پہلی مرتبہ اپنا خط کسی رسالہ کو بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اسے شائع کرتے ہوئے مایوس نہیں کریں گے۔

حاجاب: نیچے آپ کی فرمائش کو پوری ہوئی۔ قرارداد پر جتنے دستخط شائع کیے گئے ہیں انہیں ہی نیست تصور فرمائیں۔ ختم نبوت پر مشتمل حلف ناموں کو مخترب شامل اشاعت کرنے کا عمل پہلے ہی زیر تخیل ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے روشن کردار کو کوئی ختم نہیں کر سکتا نقطہ ضرورت حکمت عملی سے جد مسلسل کی ہے۔

﴿مبصر (ر) فتح محمد واہ کینٹ﴾

براہ کرم آپ مجھے پہلا شمارہ ارسال کر دیں۔ دوسرے شمارے میں قدربان ختم نبوت کا آپ نے خوبصورت، با معنی اور مختصر انداز میں تعارف کر دیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے متعلق مضمون سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ حسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے متعلق مضمون ہر محب وطن پاکستانی کی آواز ہے۔ عقرب میں بھی اسی عنوان پر آپ کو ایک مضمون ارسال کر دوں گا۔

سرسید کے متعلق مبصر (ر) امیر افضل صاحب کا مضمون انتہائی چمکانا دینے والے انکشافات پر مشتمل تھا۔ مبصر صاحب میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ اس مضمون کو میں نے بار بار حاکمین اسے ماننے کو دل نہیں چاہا بلکہ فرمائے کہ سرسید کی مذکورہ عبارت کو جب اصل کتاب میں دیکھا تو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ مبصر صاحب اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔



﴿باقی حصہ: انٹرویو﴾

☆ دعوت و اصلاح کے لیے کون سا اسلوب زیادہ مؤثر ہے؟

● اپنے اسلاف کا جس میں دلائل و براہین ہوں، الفت و محبت کی چاشنی ہو اور راغیاء پر حملہ و دفاع ہو۔

☆ قارئین "العاقب" کے لیے کوئی پیام

● مسلخ ختم نبوت دین کی بنیاد اور راکانی ہے لہذا جس قدر یہ مسئلہ حساس اور اہمیت کا حامل ہے اسی قدر ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مفسرین ختم نبوت کی ریشہ وادوں سے ملک وملت کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں کو بردنے کا دلایا جائے۔ امت مسلمہ اپنے عزائم و حوصلے بلند رکھے اور مایوسی کو قریب نہ آنے دے کیونکہ ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب اسلام کا درجہ چمکائے گا۔

۔ نکل کر صحرا سے جس نے روم کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

شاہ ہے یہ قدسیوں سے میں نے کردہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اسلام

سوال: قادیانی کتب احادیث نبویہ علیہ السلام کے مقابلہ میں کس کتاب کو "کتاب حدیث" کا درجہ دیتے ہیں؟

جواب: دو جال قادیان مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد (ایم اے) کی تصنیف "میزت المہدی" کو حدیث کی کتاب کا درجہ دیتے ہیں۔

سوال: مرزا قادیانی نے عمر بھر کتنے حج و عمرے ادا کیے؟

جواب: ایک بھی نہیں چونکہ انگریزی نبی کو ساری زندگی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی حاضری نصیب نہیں ہوئی۔ (دیے بھی کافر و زندیق کاج دمرہ کیسا؟) اسی خست (شرمندگی) کو مٹانے کے لیے مرزا

قادیانی نے اپنی جنم بھومی "قادیان" کی سیر کو ظلی حج کے برابر قرار دیا تھا۔ ۱۔

نوٹ: اس وقت حرمین شریفین میں کس بھی گستاخ مرزائی / قادیانی کا داخلہ قانوناً قطعاً ممنوع ہے۔

سوال: مرزا قادیانی پر کون سے ماہنامہ دار فتنے انگریزی وی (الحکام) لائے پر مہمور تھے؟

جواب: چٹنی چٹنی درشنی، خیراتی، منہن لال، شیر علی، حقیقہ اور رانی وغیرہ ۲۔

سوال: مرزائیوں / قادیانیوں نے ہجری و عیسوی سال کے مقابلہ میں اپنا سال ترتیب دیا ہے وہ کن مہینوں پر مشتمل ہے؟

جواب: صلیح، تبلیغ، امان، شہادت، ہجرت، احسان، وفا، ظہور، شوک، اخاء، نبوت، فتح

تواضع حضرت علامہ شاہ احمد نورانی مدنی

اور

ہفت روزہ حضرت مولانا یار خان بیادری

کی قائم کردہ مجاہدین ختم نبوت پر مشتمل تنظیم

فکرایان ختم نبوت

اشاعت: اسلام خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے لیے میدان عمل میں ہے۔ 1973ء میں قائم کردہ "تنظیم فدایان ختم نبوت" کی 1995ء میں "تحریک فدایان ختم نبوت" کے نام سے تنظیم نو کی گئی۔ 2000ء میں "تحریک فدایان ختم نبوت" اور "تحریک تحفظ ختم نبوت" کو ختم کر کے موجودہ تنظیم "فدایان ختم نبوت" کی بنیاد رکھی گئی۔

اس وقت فدایان ختم نبوت پاکستان کے مرکزی امیر شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ، خطیب پاکستان حضرت مولانا خان محمد قادری ہیں۔ ان حضرات کی با علم و عمل اور متحرک قیادت نے فدایان ختم نبوت کو مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بہت جلد اہلسنت و جماعت کی مستند اور نمائندہ تنظیم بنایا ہے۔

فدایان ختم نبوت کے جملہ عہدیداران کی جانب سے تمام مومنین کو اس قافلہ عشق و دوستی میں شمولیت کی دعوت ہے کہ انہیں اور اہلسنت کی کچنیدہ و با علم قیادت کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کا علم تمام نبی آخر الزماں ماننے والوں کی بارگاہ اقدس میں سرخرو ہو جائیں۔

العاقب^{سماوی}
الاقصی

خوشخبری

جنوری 2009ء / محرم الحرام 1430ھ سے

ماہنامہ العاقب^{سماوی}
الاقصی

کی صورت میں

سہ ماہی العاقب کی جلد اول کے 3 شماروں اور
408 صفحات کی اشاعت کے بعد جنوری 2009ء
سے جلد دوم کا آغاز۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد دوم کی ابتداء
سے العاقب ہر ماہ بعد شائع ہوگا۔